دیباچہ

اسلامی دنیا کے استحکام اور بقا میں جہاں اور حالات وابستہ ہیں۔ وہاں مذہبی بنیاد بھی اس ایوان عالیشان کو مضبوط بنائے ہوئے ہے۔ سچ ہے کہ دنیا میں مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف تو تمدن، شائستگی، اور تہذیب کی رونق ہے اور دوسری طرف روحانیت کی ایسی دلپسند اور دلکش تعلیم دے رہا ہے کہ جس سے تہذیب حاضرہ کی بے اعتدالیوں کا کافی سدِ باب ہو جائے۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ اُن کے لٹریچر کی عام رفتار میں۔ مذہبی کتابیں بھی ضرور نظر آتی ہیں۔ اور ہر سال اُن میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اِن کتابوں کے پڑھنے والوں کی تعداد خود کتنی ہی کم کیوں نہ ہو تاہم احساس عام ضرور ہے اور اسلامی لٹریچر کی کثرت ایک دن ضرور مستغنی المزاج لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔

جو کتاب اسوقت پیش کی جاتی ہے گو وہ صفحات کے لحاظ سے ضخیم نہ سہی لیکن اپنی جامعیت کے لحاظ سے ضرور اہمیت رکھتی ہے اور مجھے امید ہی کہ وہ قدر دانوں میں قدر کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

اس موضوع پر دو ایک کتابیں جدید شائع ہوئی ہیں لیکن اُن میں رطب و یابس، مفروضات موضوعات کا نظر فریب ذخیرہ اس قدر موجود ہے جس نے اصل واقعات میں بھی شک و شبہ کے خیالات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لیئے ضرورت تھی کہ ایک چھوٹی سی کتاب (ہینڈ بک) اصل واقعات پر روشنی ڈالے اور جس میں روایت و درایت کا کافی لحاظ رکھا گیا ہو۔

مسلمان خواتین کے لیئے یہ کتاب بہت مفید ہے اور اس قسم کی مذہبی کتابوں کی ان کے لیئے بہت ضرورت ہی۔ اور اُن کے مطالعہ کی میز پر اس قسم کی کتابیں لازمی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ مسلم خواتین اس کتاب سے کہ جس مین عہد رسالت کی صنف نازک کی مبـ
بیش بہا بہترین کارنامے۔ اخلاق و اخلاص، خودداری، راستبازی، صداقت گوئی۔ حق پرسـ
حیرت انگیز جرأت، شجاعت، دلیری، تمدن، معاشرت، خانہ داری کی اہم ذمہ داریا
محنت و جانفشانی، عدل و انصاف، ایثار نفس، خدا ترسی، شوہر کی اطاعت و فرمانبردار
شوہر سے محبت۔ اولاد کی تعلیم و تربیت، ادب و تعظیم، تکریم، شاعرانہ تخیلات، غرضکہ ہر
کے سبق آموز حالات مستند روایات مختلف تواریخ معتبرہ سے اخذ کر کے درج کئے گئے ہین،،
استفادہ حاصل کر کے دعائے خیر سے یاد کرین گی۔ وما توفیقی الا باللہ

بھوپال۔ ۵ فروری ۱۹۲۵ء

خاکسار
مقصود احمد

حضرت زینب رض

نام جناب رسول خدا سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام زینب رض ہی جو راہ الٰہی مین شہید ہوئین اُن کی نسبت حضرت عائشہ رض آنحضرت صلعم کا ارشاد نقل کرتی ہین کہ آپنے فرمایا وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت مین ستائی گئی ہی[1] اُن کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ رض بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی ہین جنہون نے سب سے پہلے تصدیق رسالت کی اور جنکے فضائل ومناقب اسقدر ہین کہ اُمت مسلمہ مین اُنکا وہی مرتبہ ہی جو اُمت ماضیہ مین حضرت مریم رض کا، ابو عمر کا قول ہے کہ سب صاحبزادیون مین یہ بڑی صاحبزادی تھین اس مین کوئی اختلاف نہین، اور جو لوگ اختلاف کرتے ہین وہ صحیح نہین اور نہ قابل توجہ ہی، اب اگر اختلاف ہی تو اس امر مین کہ اولاد رسول صلعم مین اوّلاً حضرت زینب رض پیدا ہوئین یا حضرت قاسم، علمائے نسب کے ایک گروہ کا قول ہی کہ اوّل حضرت قاسم پیدا ہوے اُن کے بعد حضرت زینب رض، ابن کلبی کہتے ہین کہ پہلے زینب رض پیدا ہوئین پھر قاسم، بہرحال سب صاحبزادیون مین حضرت زینب رض سب سے بڑی ہین[2]۔

ولادت بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئین اسوقت آنحضرت صلعم کی عمر شریف تیس[3] سال کی تھی حضرت زینب رض کے حالات طفولیت کا کتب تواریخ مین کہین پتہ نہین چلتا اس لیئے اُن کا حال زمانہ شادی سے قلمبند کیا جاتا ہے۔

نکاح آنحضرت صلعم کی صاحبزادیون مین سب سے پہلے حضرت زینب کی شادی کمسنی مین قبل نبوت اُن کے حقیقی خالہ زاد بھائی ابو العاص (ملقب بہ لقیط) بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن مناف کے ساتھ ہوئی[4] جو حضرت خدیجہ رض کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے[5]۔

حضرت زینب رض کے جہیز مین منجملہ دیگر سامان کے ایک عقیق یمنی کا ہار تھا جو حضرت خدیجہ رض نے دیا تھا چونکہ یہ عقیق یمنی کا ہار ایک خاص اہم واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اس لیئے آگے کے بیان

---

[1] زرقانی بحوالہ طحاوی ترجمہ حضرت زینب رض [2] طبقات صفحہ ۲۰ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً۔

(عام حالات) مین درج کیا جائے گا۔

اسلام جب آنحضرت صلعم منصب نبوت پر فائز ہوئے تو حضرت زینب رضؓ بھی اسلام لے آئین[۱]، اور اپنے شوہر ابو العاص کے اسلام لانے سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی[۲]۔

عام حالات چونکہ ابو العاص شرک مین مبتلا تھے بموجب احکام اسلامی زوجین مین تفریق کی ضرورت تھی لیکن چونکہ آنحضرت صلعم اسوقت مکہ مین مغلوب تھے اور کوئی اسلامی قوت موجود نہین تھی، کفار کی ایذا رسانی کا بازار گرم تھا، اشاعت اسلام کا کام ابتدائی حالت مین تھا غرضکہ یہ ایک پر آشوب زمانہ تھا اسلئے آنحضرت صلعم نے مصلحتاً زوجین مین تفریق نہین فرمائی[۳]۔

اشاعت اسلام کے ساتھ کفار کی زبردست مخالفت بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، آنحضرت صلعم کو تکلیف دینے کا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جو اُنھون نے اختیار نہ کیا ہو، منجملہ اور ایذا رسانی کے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ قریش کے چند لوگون نے ابو العاص کو مجبور کیا کہ وہ حضرت زینب رضؓ کو طلاق دیدین اور بجائے اُنکے قریش کی کسی لڑکی سے عقد کرلین لیکن اُنھون نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم اُن کی قرابت کا اچھا خیال فرماتے اور زوجین کے باہمی تعلقات ارتباط اور شریفانہ طرز عمل کی اکثر تعریف فرماتے تھے[۴]۔

حضرت زینب رضؓ کی محبت و ایثار کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ نبوت کے تیرھوین سال جب آنحضرت صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت زینب رضؓ اپنی سسرال مین تھین اور ابو العاص مشرکین کے ہمراہ جنگ بدر مین شریک تھے، عبد اللہ بن جبیر بن نعمان نے زمرہ اسارے مین ابو العاص کو بھی گرفتار کیا۔ اس گرفتاری کی خبر اہل مکہ کو پہونچی تو اہل مکہ نے اپنے قیدیون کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا، حضرت زینب رضؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کو یمنی ہار جو اُن کی والدہ خدیجہ رضؓ نے بوقت جہیز دیا تھا دیکر روانہ کیا، رسول صلعم کی خدمت مین وہ ہار پیش کیا گیا، آنحضرت صلعم اُس کو دیکھکر مغموم و محزون ہوئے اور رقت طاری ہوگئی حضرت خدیجہ رضؓ کی یاد تازہ ہوگئی رحم آگیا پھر آپ نے لوگون سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو زینب رضؓ کے قیدی کو رہا کردو اور اُسکا ہار بھی واپس کردو لوگون نے عرض کیا کہ "ہم لوگ بسر و چشم تعمیل حکم کے لیئے تیار ہین"

۱ طبقات صفحہ ۲۰ ۲ ایضاً ۳ در المنثور صفحہ ۱۴۴ طبقات صفحہ ۲۱ ۵ طبقات صفحہ ۶ ج ۱ صفحہ ۲۳ ج ۸، ج ۲ - ۱ - زرقانی صفحہ ۱۸۰ ج ۲ - سنن ابوداؤد صفحہ ۲۲۴ ج ۱ - طبری ج ۱ صفحہ ۱۳۴۶ اور سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۵

وہ رہا کر دیئے گیے اور وہ ہار بھی واپس کر دیا گیا[1]۔

لیکن چونکہ سب قیدی فدیہ پر چھوڑے گیے تھے اور یہ اخلاق و انصاف اور شانِ نبوّت کے خلاف ہوتا کہ ابو العاص بغیر کسی فدیہ کے رہا کیئے جاتے اسلیئے ابو العاص کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مکہ پہونچکر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیں[2]۔

حضرت زینبؓ کے لانے کے لیئے ابو العاص کے ہمراہ حضرت زید بن حارثؓ کو روانہ کیا اور ہدایت کی کہ تم بطن یاجج میں ٹھیرے رہنا جب زینبؓ وہاں آجائیں تو اُن کو اپنے ہمراہ لیکر مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ ابو العاص نے مکہ پہونچکر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی حضرت زینبؓ جب سامان سفر کی تیاری میں مشغول تھیں تو ہند بنت عتبہ اُن کے پاس آئیں اور کہا یا بنتِ محمدؐ صلعم کیا تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو؟ حضرت زینبؓ نے کہا فی الحال تو ایسا ارادہ نہیں ہے آگے جو خدا کو منظور ہو، ہند نے کہا بہن اس پوشیدگی کی کیا ضرورت ہے اگر تم واقعی جا رہی ہو تو کچھ زادِ راہ یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہدو میں خدمت کرنے کیلئے حاضر ہوں،، ہندہ کی اس ہمدردی و غمخواری سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک طبقہ النسوان میں عداوت و دشمنی کا وہ زہر یلا اثر نہیں پھیلا تھا جو مردوں میں سرایت کر چکا تھا حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ہندہ جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ سچے دل سے کہہ رہی تھیں اگر مجھے کسی چیز کی فی الواقع ضرورت ہوتی تو وہ غالباً ضرور پورا کرتیں لیکن وقت کی مصلحت سے انکار کر دیا[3]۔

غرض جب سامانِ سفر سے فارغ ہو گئیں تو اپنے دیور کنانہ ابن ربیع کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں ۔ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اور اُن کے تعرّض کا خوف تھا اس لیئے اُن کے دیور کنانہ بن ربیع نے اپنے ساتھ ترکش اور کمان وغیرہ بھی رکھ لیا جب وہ لوگ روانہ ہوئے تو قریش میں کھلبلی پھیل گئی ۔ اور اُن کی گرفتاری کی فکر ہوئی چنانچہ قریش کی ایک جماعت اُن کے تجسس میں نکلی ۔ اور مقام ذی طویٰ میں اُن دونوں کو گھیر لیا اس جماعت میں ہبار بن اسود (جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی کے لڑکے تھے اور اس رشتے سے حضرت زینبؓ کے ماموں ہوتے) اور ایک دوسرا شخص بھی تھا دونوں میں سے کسی ایک نے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا وہ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں

[1] طبقات صفحہ ۲۰۔ [2] ایضاً [3] سیرت ابن ہشام صفحہ ۲ تا صفحہ ۳ و طبری صفحہ ۴ تا صفحہ ۶۳ ج ۱۔

وہ حاملہ تھیں اُن کا حمل ساقط ہوگیا چوٹ بھی زیادہ آئی (ہبار بن اسود کی اس بیجا حرکت پر فتح مکہ کے دن آنحضرت صلعم نے اُن کے قتل کی عام اجازت دیدی تھی لیکن اُنھون نے اپنی تقصیر کی معافی چاہی اور مشرف بہ اسلام ہوئے تو آنحضرت صلعم نے معاف کردیا) اسپر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا جو کوئی اب میرے نزدیک آئیگا وہ ان تیرون کا نشانہ بنے گا۔ کچھ لوگ منتشر ہوگئے اور ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آگے بڑھکر آیا اور کہا "تم اپنے تیرون کو تھوڑی دیر روکے رہو کہ ہم تم سے کچھ باتین کرلین"، کنانہ نے اپنے تیر ترکش مین رکھ لیئے اور اُن سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو جو کچھ کہنا ہو جلد کہو"، ابوسفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھون جو مصیبتین اور تکلیفین شکست رسوائی، اور ذلت ہم لوگون کو پہونچی ہے اس سے تم بے خبر نہین ہو۔ اب اگر تم محمدؐ کی بیٹی کو علانیہ ہمارے سامنے سے لیجاؤگے تو لوگ ہماری کمزوری، اور بزدلی پر محمول کرینگے اور ہمارے ضعف و ادبار کا پیش خیمہ خیال کرینگے۔ یہ تو تم خود خیال کرسکتے ہو کہ ہمین محمدؐ کی بیٹی کو روکنے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ اسوقت تم لوٹ چلو جب ہنگامہ فرو ہوجائے اور لوگون کو معلوم ہوجائے کہ محمدؐ کی بیٹی کو واپس کرلائے تو تم چوری چھپے دوسرے وقت اُن کو لیجانا"، کنانہ نے اس بات کو منظور کیا اور وہ واپس آگئے جب یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہوگیا تو ایک روز مخفی طریقہ سے اُن کو لیکر روانہ ہوگئے بطن یاجج مین زید بن حارث انتظار کر رہے تھے اُن کے سپرد کردیا وہ حضرت زینبؓ کو لیکر مدینہ چلے گئے۔

ابوالعاص کو حضرت زینبؓ سے بہت محبت تھی زن و شوئی کے باہمی تعلقات اتحاد و ارتباط خوشگوار تھے۔ چنانچہ حضرت زینبؓ جب مدینہ تشریف لے گئین تو ابوالعاص مغموم رہنے لگے۔ ایک مرتبہ شام کے سفر مین حضرت زینبؓ بہت یاد آئین تو اُنھون نے یہ شعر پڑھے

ذکرت زینب لما ورکت ارما	جبکہ مین موضع ارم سے گذرا تو زینب کو یاد کیا (زینب یاد آئین) تو مین نے بیساختہ یہ دعا دی کہ اللہ تعالی اُس شخص
فقلت سقیا لشخص یسکن الحرما	کو شاد رکھے جو حرم مین سکونت پذیر ہوا ہے (محمد صلعم)
بنت الامین جزاھا اللہ صالحة	کی بیٹی کو خدا اسے تعالی جزائے خیر دے۔

[1] اصابہ حالات ہبار بن اسود، [2] زرقانی صفحہ ۲۲۳ ج ۳ و سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۱ و طبری صفحہ ۱۳۴۹ ج ۱ [3] طبقات صفحہ ۲۱

وکُل بعلٍ سیثنی مَا الذی عملا — اور شوہر اُسی بات کی تعریف کرتا ہے جسکو وہ خوب جانتا ہے

چونکہ ابو العاص تجارتی تجربہ اور امانت داری کے لحاظ سے بہت مشہور تھے اس لیے اہل قریش اپنا تجارتی مال اُن کے ہاتھ فروخت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ جمادی الاول ۶ھ میں ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو مع ایک سو ستر سوار کے تعاقب میں روانہ کیا۔ بمقام عیص میں دونوں قافلہ ملاقی ہوئے[1] سواران اسلام نے مشرکین کو گرفتار کیا اور جو کچھ مال و متاع تھا سب پر قبضہ کرلیا[2] لیکن ابو العاص سے کوئی مزاحمت نہ کی[3] ابو العاص نے جب قافلہ کا یہ حشر دیکھا تو فوراً مدینہ پہونچکر حضرت زینب رض سے پناہ طلب کی چنانچہ حضرت زینب رض نے اپنی پناہ میں لیلیا[4]۔ اُس وقت آنحضرت صلعم نماز فجر میں مشغول تھے حضرت زینب رض نے باواز بلند کہا انی قد اجرت ابا العاص[5] یعنی میں نے ابو العاص کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے لوگو! تم نے کچھ سُنا سب نے عرض کیا جی ہاں سُنا آپنے فرمایا مجھے اس سے قبل اس واقعہ کی کچھ اطلاع نہ تھی۔ کیا عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے کمزور آدمی دشمنوں کو پناہ دیتے ہیں[6]۔

جب آنحضرت صلعم اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت زینب رض آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ابو العاص کا جو کچھ مال و متاع لیا گیا ہے وہ واپس کردیا جائے چنانچہ آنحضرت صلعم نے اہل سریہ سے کہلا بھیجا کہ تم میرے اور ابو العاص کے رشتہ سے واقف ہو اگر تم اسکے ساتھ احسان کروگے اور اسکا مال و متاع واپس کردوگے تو میری خوشی کا باعث ہوگا۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے سب نے کہا ہم کل چیزیں واپس کرنیکے لیے حاضر ہیں۔ چنانچہ سب چیزیں واپس کردی گئیں۔ ادھر تو یہ حکم اہل سریہ کو بھیجا اور ادھر اپنی بیٹی زینب رض سے یہ فرمایا کہ تم ابو العاص کی خاطر و مدارات اور اعزاز و احترام میں کوئی کمی نہ کرنا لیکن جب تک وہ مشرک رہیں اُن کی قرابت سے احتراز کرنا کیونکہ اسلام و کفر دونوں جمع نہیں ہوسکتے[7]۔

اس روایت سے عدم تفریق زوجین کی پہلی روایت کی تردید ہوتی ہے لیکن اب اسلام کی قوت بڑھ گئی تھی اور استحکام کی صورت پیدا ہوگئی تھی، اور کوئی اسلامی کمزوری بھی نہ تھی اور اسلام کا

[1] طبقات صفحہ ۲۲ [2] ایضاً و طبری صفحہ ۱۳۵۵ [3] طبقات صفحہ ۲۲ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً۔

منشاء بھی یہی ہے کہ زوجین میں تفریق ہو جائے۔ اسلیئے اب کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ آنحضرتؐ ایسا حکم نہ دیتے وہ وقت البتہ بہت نازک تھا اسی مصلحت سے اسوقت کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اسکے بعد ابو العاص اپنا مال و اسباب لیکر مکہ روانہ ہو گئے مکہ پہونچکر جس جس کا جو کچھ لینا دینا تھا اسے دیکر حساب صاف کر دیا[1] اور ایک روز قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اے اہل قریش اب میرے ذمہ کسی کا کوئی مطالبہ تو باقی نہیں ہے اہل قریش نے کہا ہاں بیشک اب کوئی مطالبہ نہیں ہے اور خدا تم کو جزائے نیک دے تم ایک باوفا اور کریم النفس شخص ہو۔ ابو العاص نے کہا ہاں سن لو اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ۔ خدا کی قسم مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اسلام لانے سے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم لوگ یہ خیال نہ کر لو کہ میں تمہارے مال کو غبن کر چکا ہوں تو اس لیئے مسلمان ہو گیا لیکن اب جبکہ خدا نے مجھے اس بار گران سے بخیر و خوبی سبکدوش کر دیا تو اب کوئی امر حائل نہیں کہ میں اسلام نہ قبول کر دوں۔

یہ واقعہ محرم سنہ ۷ھ کا ہے اسکے بعد حضرت ابو العاص مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے[2]۔

جب حضرت ابو العاص مشرف بہ اسلام ہو کر مدینہ منورہ پہونچے تو آنحضرت صلعم نے حضرت زینبؓ کو بعقد اول اُن کی طرف رجوع کر دیا[3] یعنی تجدید نکاح نہ کی بلکہ وہی پہلا نکاح قائم رکھا چونکہ اسوقت سورہ برات نازل نہیں ہوئی تھی اسلیئے مسلمان عورتیں اپنے شوہروں کے پاس اسلام لانیکے بعد بلا تجدید نکاح اُن کی زوجیت میں آجایا کرتی تھیں[4]۔

حضرت زینبؓ اپنے والد اور شوہر سے بے انتہا محبت رکھتی تھیں[5] قیمتی کپڑے پہننے کی شائق تھیں حضرت انسؓ نے اُن کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا جس پر زرد رنگ کی دھاریاں تھیں[6]

اولاد حضرت ابو العاص کے صلب سے حضرت زینبؓ کے دو اولادیں پیدا ہوئیں۔ ایک فرزند علی اور دختر امامہ، علی ہجرت سے قبل پیدا ہوئے آنحضرت صلعم نے اُن کو اپنی کفالت میں لیا اور وہ آپ کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، فتح مکہ کے روز جب آنحضرت صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو علی آپ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے سن بلوغ ہی میں اپنے والد

[1] طبقات صفحہ ۲۲، [2] طبقات صفحہ ۲۲، [3] ایضاً، [4] اصابہ کتاب النساء حالات زینبؓ، [5] استیعاب صفحہ ۷۵۲ و در المنثور صفحہ ۲۲، [6] طبقات صفحہ ۲۲۔

ابو العاص کی زندگی مین انتقال کیا۔ لیکن ابن عساکر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی جنگ یرموک تک زندہ رہے اور اسی جنگ مین آپنے جام شہادت نوش فرمایا۔[1] لیکن حضرت امامہ زندہ رہین اور حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقد ثانی حضرت امامہ سے ہوا حضرت امامہ عرصہ تک زندہ رہین ان کے حالات زندگی آیندہ صفحات مین تفصیل سے لکھے جائین گے۔

وفات حضرت زینبؓ حضرت ابو العاص کے اسلام لانے کے بعد تقریبًا سال سوا سال تک زندہ رہین اور اپنے والد بزرگوار رسول صلعم کی حیات مبارک ۸ھ مین راہگرا ئے فردوس ہوئین۔[2]

حضرت زینبؓ کی علالت کا تذکرہ کسی کتب تواریخ مین نہین ملا مرف استیعاب مین وفات کا سبب یہ لکھا ہے۔

وَكَانَ سَبَبُ مَوْتِهَا اَنَّهَا لَمَّا خَرَجَتْ مِنْ مَكَّةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَدَ لَهَا هَبَّارُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَرَجُلٌ اٰخَرُ فَنَخَسَهَا اَحَدُهُمَا فَسَقَطَتْ عَلٰى صَخْرَةٍ فَاَسْقَطَتْ وَاُهْرِيْقَتِ الدِّمَاءُ فَلَمْ يَزَلْ بِهَا مَرَضُهَا ذٰلِكَ حَتّٰى مَاتَتْ سَنَةَ ثَمَانٍ مِنَ الْهِجْرَةِ[3]

جب حضرت زینبؓ مکہ سے اپنے والد بزرگوار رسول صلعم کی خدمت مین آنے لگین تو راستہ مین ہبار بن اسود اور ایک دوسرے شخص نے حملہ کیا اور اون کو اونٹ پرسے گرا دیا وہ پتھر پر گر پڑین بہت چوٹ آئی اور بہت خون نکلا اور آپ کا حمل ساقط ہوگیا عرصہ تک اسی مرض مین مبتلا رہین حتی کہ ۸ھ میں انتقال کر گئین۔

حضرت ام ایمن، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام عطیہ، حضرت زینبؓ کے غسل مین شریک تھین۔ انھی لوگون نے غسل بھی دیا۔ ام عطیہ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے بوقت غسل فرمایا کہ ہر عضو کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو اس کے بعد کافور لگا دو۔[4]

آنحضرت صلعم خود قبر مین اُترے اور اپنی نور دیدہ کو ہمیشہ کے لیئے سپرد خاک فرمایا۔ اُسوقت آپ کے چہرۂ مبارک پر رنج و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ اور اُسوقت آپنے حضرت زینبؓ کو اور اُن کے ضعف کو یاد کیا تو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ مین دعا کی کہ اے خدا تو زینبؓ کی مشکلات کو آسان کردے اور اُسکی

---

[1] اصابہ صفحہ ۲۴۰ [2] طبقات صفحہ ۲۲ و طبری صفحہ ۱۳۵ [3] استیعاب صفحہ ۷۵۱ [4] طبقات صفحہ ۲۲ و صفحہ ۲۳

قبر کی تنگی کو کشادگی سے بدل دئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے تھوڑے دن کے بعد حضرت ابو العاص کا بھی انتقال ہو گیا۔[۵۲]

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

نام سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی کا نام رقیہ ہے ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی ہیں یعنی جناب زینب رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں۔

ولادت نبوت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ابن زبیر اور اُن کے چچا مصعب کا خیال ہے کہ حضرت رقیہ سب صاحبزادیوں میں چھوٹی تھیں چنانچہ جرجانی نسّاب نے اسی قول کو صحیح جانا ہے لیکن ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی صاحبزادی تھیں اور منجھلی صاحبزادی رقیہ ابو العباس محمد بن اسحاق سراج بروایت عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر بن سلیمان الہاشمی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس برس کے تھے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور تینتیسویں سال حضرت رقیہ کی ولادت ہوئی۔ بہرحال ارباب سیر نے حضرت رقیہ کو منجھلی صاحبزادی قرار دیا ہے

نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے حضرت رقیہ کا پہلا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا[۵۳]۔ جب آنحضرت صلعم شرف نبوت پر فائز ہوئے تو قریش کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی۔ قریش نے منجملہ اور تکلیف پہونچانے کے یہ صورت بھی اختیار کی کہ حضرت ابو العاص سے کہا کہ تم زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد کو طلاق دیدو۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا[۵۴]۔ جب قریش نے حضرت ابو العاص سے یہ دندان شکن جواب سنا تو اپنا سا منھ لیکر رہ گئے پھر عتبہ کے پاس گئے اُن سے بھی یہی کہا کہ تم رقیہ بنت محمد کو طلاق دیدو۔ اور قریش کی جس لڑکی سے کہو شادی کرا دیں عتبہ نے منظور کیا اور کہا کہ سعید ابن العاص کی لڑکی سے میرا نکاح کرا دو۔ پھر قریش بخوشی راضی ہو گئے اور کیوں

۵۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۷ ، ۵۲ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۲۱ ، ۵۳ طبقات ج ۸ ص ۲۴ ، ۵۴ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۵ طبری ص ۱۳۴۹ ج ۳ اجزاء ثالث

نہ ہوتے یہ تو اُنکا عین منشا تھا کہ جس طریقہ سے ہو رسول صلعم کو روحانی وجسمانی تکالیف پہونچائیں چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دیدی ۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم درجۂ نبوت پر فائز ہوئے اور سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب اور اُس کی بیوی ام جمیل (حمالۃ الحطب) نے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ اگر تم نے رقیہ بنت رسول اللہ کو طلاق نہ دی تو میری زندگی اور تمہارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے ۔ عتبہ نے بہ تعمیل حکم والدین حضرت رقیہ کو طلاق دیدی ۔[1]

اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ عتبہ سے صرف آپکا عقد ہوا تھا ہنوز رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی ۔[2] اور یہ رسول اللہ صلعم کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص انعام تھا ۔

اسلام اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ رض کے ساتھ اسلام لائیں اور بیعت اسوقت کی جب اور عورتوں نے آنحضرت صلعم سے شرف بیعت حاصل کی ۔[3]

حضرت عثمان کا قبول اسلام اور حضرت رقیہ سے عقد کا عجیب واقعہ حضرت عثمان اپنے قبول اسلام اور شادی کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کے صحن میں چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً کسی آدمی نے آکر مجھے یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقد عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا چونکہ حضرت رقیہ حسن و جمال اور اپنے قابل رشک اوصاف کے لحاظ سے امتیاز رکھتی تھیں اسلیے میرا رجحان خاطر اُن کی طرف تھا جب یہ خبر میرے گوش گذار ہوئی تو حسرت و یاس کی کالی گھٹائیں دل پر چھا گئیں ہاتھ پاؤں پھول گئے اپنی شومی قسمت پر رنجیدہ ہوا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا تدبیر کروں جو مجھے منزل مقصود تک پہونچائے ۔

اس خبر سے میں ایسا مضطرب ہو گیا کہ اُس جگہ نہ ٹھیرا اور گھر پہونچا زہے نصیب کہ اتفاق سے گھر میں میری خالہ سعدہ تشریف رکھتی تھیں جو کہانت میں ماہر تھیں مجھے دیکھتے ہی بے ساختہ بولیں ۔

---

[1] طبقات ص ۲۴ [2] طبقات ۹ ص ۲۴ ، و اصابہ کتاب النساء زینب [3] طبقات ۹ ص ۲۴

„أَبْشِرْ وَحُيِّيتَ ثَلَاثًا وِتْرًا — (اے عثمان) تمہیں مژدہ ہو اور تم پر تین مرتبہ سلام
„ثُمَّ ثَلَاثًا وَثَلَاثًا أُخْرَى — پہونچے پھر تین مرتبہ اور پھر تین مرتبہ۔ پھر ایک
„ثُمَّ بِأُخْرَى كَيْ تَتِمَّ عَشْرًا — مرتبہ سلام پہونچے تاکہ دس پورے ہوجائیں۔
„لَقِيتَ خَيْرًا وَوُقِيتَ شَرًّا — (خدا کرے) تمکو بھلائی نصیب ہو اور برائی سے بچائے
„أُنْكِحْتَ وَاللهِ حَصَانًا زَهْرَا — جاؤ خدا کی قسم تم نے ایک عفت مآب حسینہ و جمیلہ خاتون سے
„وَأَنْتَ بِكْرٌ وَلَقِيتَ بِكْرَا — نکاح کیا تم بھی ناکتخدا اور ناکتخدا ہی تمکو ملگئی۔ ایک بڑے
„وَافَيْتَهَا بِنْتَ عَظِيمٍ قَدْرَا — عظیم القدر جلیل المرتبہ شخص کی بیٹی تم نے پائی [۱]

مجھے اُن کی ایسی گفتگو سے سخت تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا خالہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فرمایا۔

„عُثْمَانُ يَا عُثْمَانُ يَا عُثْمَانُ — عثمان اے عثمان اے عثمان، تم صاحب جمال ہو اور
„لَكَ الْجَمَالُ وَلَكَ الشَّانُ — صاحب شان۔ یہ نبی صاحب برہان ہیں جو رسول
„هٰذَا نَبِيٌّ مَعَهُ الْبُرْهَانُ — برحق ہیں جنکو خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اُن پر
„أَرْسَلَهُ بِحَقِّهِ الدَّيَّانُ — فرقان یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔ اُن کی
„وَجَاءَهُ التَّنْزِيلُ وَالْفُرْقَانُ — اتباع کرو اور بتوں کے فریب میں
„فَاتَّبِعْهُ لَا يَغُرَّنَّكَ الْأَوْثَانُ [۱] — نہ آؤ۔

میں اس مرتبہ بھی کچھ نہ سمجھا اور پھر میں نے کہا کہ ذرا تفصیل و تشریح کے ساتھ فرمایئے تو فرمایا،

„إِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَسُولُ اللهِ — محمد بن عبد اللہ جو خدا کے رسول اور قرآن لیکر آئے ہیں خدا
مِنْ عِنْدِ اللهِ جَاءَ بِتَنْزِيلِ اللهِ يَدْعُو بِهِ — کی طرف بلاتے ہیں اسکا چراغ در اصل چراغ ہے اسکا
إِلَى اللهِ مِصْبَاحُهُ مِصْبَاحٌ وَدِينُهُ فَلَاحٌ — دین ذریعہ فلاح ہے قتل و قتال شروع ہوگا اور
مَا يَنْفَعُ الصِّيَاحُ لَوْ وَقَعَ الذِّبَاحُ وَسُلَّتِ — تلواریں کھینچ لیجائیں گی اور برچھیاں تن جائیں گی
الصِّفَاحُ وَمُدَّتِ الرِّمَاحُ [۲] — اسوقت شور و غل کوئی نفع نہ دیگا۔

اُن کی یہ گفتگو میرے دل پر موثر ہوئی اور میں اُس کے مآل کار پر غور و فکر کرنے لگا حضرت ابو بکر کے پاس میں اکثر بیٹھا کرتا تھا دو روز کے بعد میں اُن کے پاس گیا اُسوقت اُن کے نزدیک کوئی شخص نہ تھا

[۱] اصابہ صفحہ ۶۲۸ و صفحہ ۶۲۹ ۔ [۲] اصابہ صفحہ ۶۲۸ و صفحہ ۶۲۹ ۔

مین متفکر و پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اُنھون نے دریافت کیا کہ تم آج متفکر کیون ہو، چونکہ وہ میرے رفیق تھے مین نے اُن سے اپنی خالہ کی گفتگو کا ماحصل بیان کیا۔ فرمایا کہ اے عثمان تم ایک سمجھدار آدمی ہو اگر تم حق و باطل کی کوئی تمیز نہ کر دلو بیحد تعجب ہے تمہاری قوم ان بتون کی پرستش کرتی ہے۔ کیا یہ بُت پتھر کے نہین ہین نہ سن سکتے ہین نہ دیکھ سکتے ہین، نہ نفع پہونچا سکتے ہین نہ نقصان، مین نے کہا بیشک آپ جو کچھ فرماتے ہین وہ بالکل صحیح ہے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا اے عثمان بیشک خدا کی قسم تمہاری خالہ نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے اور مین بھی یہی کہتا ہون کہ محمدؐ بن عبداللہ خدا کے رسول ہین جنہین خدا نے اپنا پیغام بندون تک پہونچانے کے لیے بھیجا ہے۔ پس کیا حرج ہے اگر تم اُن کے پاس چلو اور جو کچھ وہ فرمائین سُنو، چنانچہ مین آنحضرتؐ کی خدمت مین گیا (ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلعم خود ہی وہان تشریف لے آئے) آپ نے فرمایا اے عثمان خدائے تعالیٰ تم کو جنت کی طرف بلاتا ہے تم اس کو قبول کرو۔ مین خدا کا رسول ہون جو تمہارے اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا،،۔

خدا ہی جانے آپ کے جملون مین کیا اثر تھا کہ مین بے قابو ہو گیا اور مین نے بے اختیار "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ" کہا اور مسلمان ہو گیا۔[۱]

اس واقعے کے بعد مکہ مین حضرت رقیہؓ سے میرا عقد ہو گیا۔

ہجرت [سنہ] نبوت مین حضرت رقیہ نے اپنے شوہر حضرت عثمان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔[۲]

اسمار (ذات النطاقین) بنت ابی بکر سے منقول ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ غار مین تشریف رکھتے تھے اور مین غار مین کھانا لیکر جایا کرتی تھی ایک مرتبہ حضرت عثمان نے آنحضرت صلعم سے ہجرت کی اجازت طلب کی آپ نے حبشہ جانے کی اجازت دی اس لیے آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ اس کے بعد مین نے کھانا لیکر گئی تو آنحضرتؐ نے استفسار فرمایا کہ عثمان اور رقیہؓ گئے یا نہین مین نے عرض کیا کہ جی ہان گئے آپ نے

[۱] ماخوذ از اصابہ صفحہ ۳۶۲ [۲] طبقات صفحہ ۲۴، در المنثور صفحہ ۲۰۷ [۳] ایضاً،،

میرے والد ابو بکر سے فرمایا۔ لوط اور ابراہیم کے بعد عثمان پہلے شخص ہین جنہون نے کفار کی ایذا رسانی کے باعث مع اپنی بیوی کے وطن کو خیر باد کہکر ہجرت کی[۱]۔

حضرت رقیہ حبشہ سے مکہ واپس آئین لیکن مکہ کی حالت پہلے سے زیادہ خراب تھی وہان قیام کرنا مناسب نہ سمجھا تو پھر حبشہ چلی گئین۔

چونکہ وہان ایک عرصہ تک قیام رہا آنحضرت صلعم کو اُن کی خیریت کے متعلق کوئی خبر نہ ملی اسلیے متفکر تھے کہ اتفاق سے ایک عورت حبشہ سے آئی۔ تو اُس سے آنحضرت نے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کا حال دریافت فرمایا عورت نے کہا جی ہان مین نے دونون کو دیکھا ہے وہ خیریت سے ہین۔ جب آنحضرت صلعم کو اُن کی جانب سے اطمینان ہوا تو فرمایا صحبھما اللّٰہ ان عثمان من ھاجر باھلہٖ[۲] یعنی خدا ان دونون پر رحم فرمائے عثمان پہلے شخص ہین جنہون نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔ باھلہٖ کے بعد صاحب اصابہ لکھتے ہین یعنی من ھٰذہ الامۃ اس سے مراد یہ تھی کہ اُمت مین پہلے شخص ہین۔ لیکن ان الفاظ کی تاویل مناسب نہین ہے کیونکہ پہلی روایت مذکور ہو چکی ہے۔ لوط اور ابراہیم کے بعد عثمان پہلے شخص ہین جنہون نے اپنی بیوی کو ہمراہ لیکر ہجرت کی۔

حبشہ مین ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حضرت عثمان نے مکہ کی طرف مراجعت کی اور بہت تھوڑے دن قیام کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے[۳]۔

علالت و وفات مدینہ منورہ پہونچکر سنہ ۲ ھ مین حضرت رقیہ کی صحت خراب ہوگئی۔ چیچک نکل آئی (اصابہ تاریخ الخمیس صفحہ ۱۳۰ پر لکھتے ہین کہ حضرت رقیہ کے کنکری لگ گئی تھی جس سے وہ بیمار ہو گئین) بہر حال وہ اس قدر بیمار ہوئین کہ صاحب فراش ہو گئین چونکہ یہی زمانہ جنگ بدر کا تھا اور آنحضرت صلعم جنگ کی تیاری مین مشغول تھے اس لیے آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو اُن کی تیمارداری کے لیے مدینہ مین چھوڑ دیا[۴]۔ اور آپ خود جنگ بدر مین تشریف لے گئے رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ ہجرت کو ایک سال سات مہینے گذر چکے تھے کہ حضرت رقیہ کا

۱ه اصابہ صفحہ ۵۸۲ و طبقات صفحہ ۲۴، ۲ه اصابہ صفحہ ۵۰۰، وصفحہ ۵۰۳، ۳ه ایضاً، ۴ه طبقات صفحہ ۲۴ و اصابہ صفحہ ۵۰۰، ۵۰۳

انتقال ہوگیا[1] - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[2] عین اُسوقت جبکہ حضرت رقیہ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی زید بن حارث فتح مکہ کی خوشخبری لیکر مدینہ مین داخل ہوئے[3] اس لحاظ سے آپ کی وفات سنہ ۲ ھ ہی مین ہوئی۔

اولاد حبشہ کے دوران قیام مین حضرت رقیہ کے بطن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جنکا نام عبداللہ تھا۔ اور عبداللہ ہی کے نام سے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ تھی[4]۔

اس ولادت سے قبل ہجرت اولی مین حضرت رقیہ کا ایک حمل ساقط ہوچکا تھا[5]۔

عبداللہ کی ہنوز چھ سال کی عمر تھی کہ ایک مرغ نے اُن کی آنکھ مین چونچ ماردی جس سے تمام چہرہ ورم کر آیا۔ اور نظام جسم مین فساد پیدا ہوگیا آخر اسی صدمہ سے جمادی الاول سنہ ۴ ھ مین انتقال ہوگیا[6]۔ آنحضرت صلعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اور حضرت عثمان نے قبر مین اُتارا۔ اسکے بعد حضرت رقیہ کے کوئی اولاد نہین ہوئی[7]۔

عام حالات ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری پر حضرت رقیہ کی وفات کا حال بیان کیا گیا۔ تو آپنے صبر و شکر کے ساتھ فرمایا الحقی بسلفنا عثمان بن مظعون[8] "عثمان بن مظعون پہلے جاچکے اب تم بھی اُن کے پاس چلی جاؤ۔" (عثمان بن مظعون ایک جلیل القدر اور مقتدر رکن ملت صحابی تھے مہاجرین مین سب سے پہلے مدینہ مین انتقال کیا تھا) آنحضرت کے اس ارشاد پر تمام عورتین حضرت رقیہ کو یاد کرکے رونے لگین[9] حضرت عمر رض بھی آگئے تھے عورتون کو روتا ہوا دیکھکر تنبیہ و تہدید فرمانے لگے آنحضرت صلعم نے فرمایا ان لوگون کو روتا ہوا چھوڑ دو کیونکہ جب رونے کا تعلق قلب اور آنکھ سے ہو تو وہ اللہ تعالی کی رحمت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر ہاتھ اور زبان تک نوبت پہونچے تو شیطان کی تحریک سمجھنا چاہیے[10]۔

لوگون نے آنحضرت صلعم سے حضرت رقیہ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا الحمد للہ دفن البنات من المکرمات[11] یعنی سب تعریفین خدا کیواسطے ہین بزرگ بیٹیان دفن کی گئین۔

[1] طبقات صفحہ ۲۴، [2] ایضاً و اصابہ صفحہ ۵۰۲، [3] طبقات صفحہ ۲۴، [4] ایضاً [5] اسد الغابہ صفحہ ۴۵۶، [6] ایضاً
[7] طبقات صفحہ ۲۴، [8] طبقات صفحہ ۲۴ و اصابہ صفحہ ۵۰۲، [9] طبقات صفحہ ۲۴ و اصابہ صفحہ ۵۰۲، [10] ایضاً [11] استیعاب صفحہ ۷۴۹

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت فاطمہؓ (حضرت رقیہؓ کی چھوٹی بہن) حضرت رقیہ کی قبر کے کنارے آنحضرت صلعم کے پہلوئے مبارک میں بیٹھکر رونے لگیں تو آنحضرت صلعم اپنی چادر کے گوشوں سے اُن کے آنسو پونچھتے جاتے تھے[1]۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ اسی روایت کا ذکر میں نے محمد بن عمر سے کیا تو اُنہوں نے کہا کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت رقیہ کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم جنگ بدر میں تشریف رکھتے تھے۔ بوقت دفن شریک نہ تھے پس گمان غالب یہی ہے کہ یہ روایت کسی دوسری صاحبزادی کے بارہ میں ہوگی جسکے دفن میں آپ شریک ہوں گے راوی کو غلط فہمی ہوئی اور اگر کوئی مغالطہ نہیں ہوا تو یہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم بدر سے مراجعت فرما کر قبر پر تشریف لے گئے ہوں اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

حسن و جمال

حضرت رقیہ بہت خوبصورت اور موزون اندام تھیں در المنثور میں لکھا ہے[2] کہ "کانت ذات جمال بارع" یعنی وہ بہت حسینہ و جمیلہ خاتون تھیں حبشہ کا ایک گروہ آپکے حسن و جمال سے تعجب کرتا تھا، اس گروہ نے آپ کو بہت سی اذیتیں پہونچائیں آپ نے اُن لوگوں کے لیئے بد دعا کی اور وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے[3]۔

حضرت عثمان اپنی ہمدم، غمگسار، بیوی کے انتقال سے بہت مغموم و محزون رہنے لگے ان دونوں میں خاصی محبت تھی "احسن الزوجین راٰھما الانسان رقیۃ و زوجھا عثمان"[4]، یہ مقولہ اُن کی شان محبت میں بولا جاتا تھا جو عرب میں اب بطور ضرب المثل کے استعمال کیا جاتا ہے۔"

[1] طبقات صفحہ ۲۴ و ۲۵ و اصابہ صفحہ ۵۰۲ [2] در المنثور صفحہ ۲۰۲ [3] ایضاً [4] اصابہ صفحہ ۶۲۹

حضرت اُمِّ کلثوم

نام حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی کا نام اُم کلثوم ہے آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔

زبیر کہتے ہیں ام کلثوم حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ سے بڑی تھیں۔ دیگر ارباب سیر نے زبیر کے اس قول کی مخالفت کی ہے لیکن صحیح اور قابل وثوق یہی ہے۔ کہ حضرت رقیہ سے چھوٹی تھیں اسلئے کہ جب حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا تو رسول اکرم نے حضرت ام کلثوم کو حضرت عثمان سے بیاہ دیا[۱] اگر حضرت ام کلثوم حضرت رقیہ سے بڑی ہوتیں تو بالضرور پہلے حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان سے ہوتا نہ کہ حضرت رقیہ کا۔ غالباً ارباب سیر نے زبیر کے قول کی تردید اسی قول پر کی ہوگی۔

ولادت آپ کا سال ولادت کسی کتب تواریخ وسیر میں مذکور نہیں ہے لیکن قیاس ہے کہ چھ سال قبل بعثت ولادت ہوئی ہوگی۔ اسلئے کہ حضرت رقیہ کی ولادت سات سال قبل بعثت ہوئی اور حضرت فاطمہ کی ولادت پانچ سال قبل ہے۔ اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حضرت رقیہ سے حضرت ام کلثوم چھوٹی اور حضرت فاطمہ سے بڑی ہیں تو لامحالہ ان دونوں کی ولادت کے درمیان کا زمانہ اُن کی ولادت کے لیے تسلیم کرنا پڑیگا۔

آپ کے حالات طفولیت بھی کتب تواریخ وسیر میں مذکور نہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ ایسا پر آشوب زمانہ تھا کہ معمولی حالات کا تاریکی میں رہ جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔ اسلئے آپکے زمانۂ شادی کا حال لکھا جاتا ہے۔

نکاح آنحضرت صلعم نے حضرت رقیہ کا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے اور حضرت ام کلثوم کا عقد ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے قبل بعثت کر دیا تھا لیکن جب آنحضرت صلعم مرتبۂ رسالت پر

۱؎ طبقات صفحہ ۲۵، ۸۔

فائز ہوئے اور سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے ہر ایک بیٹے کو مخاطب کر کے کہا "راسی من راسک حرام ان لم تطلق ابنتہ[1]"، یعنی میری زندگی اور میرا اٹھنا بیٹھنا تم لوگوں میں حرام ہے اگر تم نے اُس کی (رسول صلعم) بیٹی کو طلاق نہ دیا۔ (جیسا کہ حضرت رقیہ کے طلاق کا واقعہ اُن کے بیان میں لکھا جا چکا ہے) (اسی طرح) عتیبہ نے بھی اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ام کلثوم کو طلاق دیدی اس لحاظ سے اب دونوں کی طلاق کا زمانہ اور سبب ایک ہی ہوا لیکن ان دونوں بہنوں کی رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔ اور یہ خدا کا مخصوص انعام و اکرام تھا جو قبل رخصتی کے ایسا واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت رقیہ کا عقد حضرت عثمان سے ہو گیا تھا جیسا کہ اُن کے بیان میں ذکر ہو چکا۔

جب سنہ ۲ھ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمان اُس جانکاہ صدمہ سے بہت زیادہ مغموم و محزون رہنے لگے، آنحضرت صلعم نے اُن کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اے عثمان میں تم کو غم و الم میں مبتلا پاتا ہوں، اسکا کیا سبب ہے حضرت عثمان نے عرض کیا یا حضرت رسول صلعم غمگین و پریشان نہ ہوں تو کیا کروں مجھ پر وہ مصیبت پڑی جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہوگی حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا اُن کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی حضور سے جو رشتۂ قرابت وابستہ تھا منقطع ہو گیا اب کیا چارہ ہے، ابھی اُن کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا مجھے جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ حکم پہونچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثوم کو اُسی مہر پر جو رقیہ کا تھا تمہارے عقد میں دوں[2]۔

چنانچہ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول سنہ ۳ھ میں حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان سے کر دیا[3]۔

رخصتی — نکاح کے دو مہینے بعد جمادی الآخر سنہ ۳ھ میں رخصتی عمل میں آئی۔

اسلام — حضرت ام کلثوم اپنی والدہ مکرمہ حضرت خدیجہ کے ساتھ اسلام لائیں[5] اور اپنی بہنوں کے ساتھ بیعت اسوقت کی جب اور عورتیں آنحضرت صلعم کی شرف بیعت سے بہرہ اندوز ہوئیں[6]

۱؎ طبقات صفحہ ۲۵، ۲؎ اسد الغابہ صفحہ ۶۱۲، وصفحہ ۶۱۳، ۳؎ طبقات صفحہ ۲۵، ۴؎ ایضاً ۵؎ ایضاً ۶؎ ایضاً۔

ہجرت } آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے گئے، تو اہل وعیال مکہ ہی میں مقیم رہے۔ لیکن جب مکہ کی حالت زیادہ نازک اور خطرناک ہو گئی تو حضرت سودہ، و حضرت فاطمہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگیں تو حضرت ام کلثوم بھی اُن کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔[1]

اولاد } آپ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔[2]

وفات تک مدینہ میں قیام رہا۔ شادی کے پانچ سال گذرنے کے بعد شعبان

وفات } ۹ھ میں انتقال فرمایا۔[3] انصار کی عورتوں نے آپ کو غسل دیا اسمین ام عطیہ بھی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے جنازہ کی نماز پڑہائی حضرت ابو طلحہ، حضرت علی بن ابی طالب، اور حضرت فضل بن عباس و اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔[4]

عام حالات } انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کو حضرت ام کلثوم کی وفات سے سخت صدمہ پہونچا آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔[5]

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عثمان سے کہا تم میری بیٹی حفصہ سے عقد کر لو لیکن حضرت عثمان نے تامل کیا اور کوئی جواب نہیں دیا اسلئے کہ وہ سُن چکے تھے کہ آنحضرت صلعم حضرت حفصہ سے عقد کرنیکا خیال فرماتے ہیں پھر جب رسول اکرم کو یہ خبر پہونچی تو آپنے حضرت عمر سے فرمایا کیا میں حفصہ کیلئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کیلئے حفصہ سے بہتر زوجہ تلاش کر دوں پھر آپنے حضرت حفصہ کو اپنے دائرۂ ازدواج میں شرف بخشا، اور حضرت عثمان کا عقد حضرت ام کلثوم سے کر دیا۔[6]

حضرت ام کلثوم کے انتقال کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو ہر ایک لڑکی عثمان ہی کے رشتۂ تزویج میں منسلک کرتا۔[7] دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو تین تین عثمان کے عقد میں دیتا۔[8]

---

۱ طبقات صفحہ ۲۵، ۲ ایضاً، ۳ ایضاً و اسد الغابہ صفحہ ۶۱۲، ۴ طبقات صفحہ ۲۶، ۵ ایضاً، ۶ استیعاب صفحہ ۷۹۳، ۷ طبقات صفحہ ۲۵، ۸ تاریخ الخمیس صفحہ ۳۰۲

حضرت فاطمہ رضؓ

نام آنحضرت سرورکائنات امام البشر خاتم المرسلین کی چھوٹی صاحبزادی کا نام فاطمہ اور **کنیت** کنیت ام محمد ہے جن پر تمام مکارم اخلاق و فضائل اوصاف ختم تھے آپ کی والدہ معظمہ بھی حضرت خدیجہ بنت خویلد تھیں۔

لقب آپ سیدۃ النساء عالم اور سردار نساء اہل جنت ہیں۔ آپ کے القاب، زہرا، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ، بتول، ہیں[1]۔

شیخ ابن حجر، فاطمہ، بتول اور زہرا کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا نام فاطمہ اسوجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دوست رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا۔ اور بتول کا لقب اسوجہ سے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی عورتوں سے فضل و دین اور حسب میں ممتاز تھیں۔ اور زہرا لقب اسوجہ سے تھا کہ آپ کو حیض نہیں آتا تھا[2]۔

صاحب اخبار الدول زہرا کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن، و امام حسین، رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تو مابین عصر و مغرب کا وقت تھا اُسی وقت آپ نفاس سے پاک ہوئیں اور غسل کر کے مغرب کی نماز ادا فرمائی اسیواسطے زہرا لقب ہوا۔

مولانا حضرت شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ میں بہجت، زہرت، جمال و کمال بہت زیادہ تھا اس مناسبت سے زہرا لقب قرار پایا۔

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ فطم کے معنی لغت میں بچہ کو دودھ پینے سے روکنے کے ہیں، تو گویا حضرت فاطمہ سیدۂ عالم لوگوں کو دوزخ کی آگ سے روکنے والی ہیں۔ اور بتول مشتق ہے بتل سے جسکے معنی قطع کرنے کے ہیں، منتہی الارب میں لکھا ہے کہ بتول بروزن صبور عورت دوشیزہ کو کہتے ہیں۔ جو دنیا اور ماسوائے اللہ سے علیحدہ ہو

---

[1] اصابہ صفحہ ۳۷۰، [2] منح مکیہ شرح قصیدہ ہمزیہ صفحہ ۹۶۵ و صفحہ ۳۲ سے ماخوذ ہے۔

حضرت مریم والدۂ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی بتول تھا۔

بچپن ہی سے حضرت فاطمہ کی طبیعت مین بہت زیادہ متانت، سادگی، اور سنجیدگی تھی آپکی اور بہنین لہو ولعب مین مشغول رہتین لیکن آپ کا دل کھیل کود مین نہین لگتا تھا۔ وہ بہنین اپنے قبیلہ کے اکثر گھرانون مین چلی جایا کرتی تھین لیکن آپ کہین آنا جانا پسند نہین فرماتی تھین، ہمیشہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھی رہتی تھین۔ آپ کی یہ سادگی اور استغنا آنحضرت صلعم کو بہت پسند تھا۔ اسی وجہ سے آپ بتول (تارک الدنیا) کے لقب سے یاد فرمائی جاتی تھین۔

چونکہ آپ آنحضرت صلعم سے صورت، وسیرت، انداز، ادا، گفتار، رفتار، چلنے پھرنے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے مین مشابہ تھین اس لحاظ سے آپ کا لقب زاکیہ راضیہ بھی ہوا۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ اور یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ اہل قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر مین مشغول تھے[۱]۔

حضرت عباس سے مروی ہے کہ آپ کی ولادت اسوقت ہوئی جبکہ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور اُسوقت آنحضرت صلعم کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی[۲] اور آپ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھین[۳]۔

نکاح جس وقت آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اُسوقت حضرت فاطمہ نا کتخدا تھین لوگون نے پیغام دیئے اُن مین سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم سے حضرت فاطمہ سے عقد کرنے کی استدعا کی آپ نے فرمایا و حکم الٰہی کا انتظار کرو[۴]۔

اس کا ذکر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کیا اور اُن کو بھی ترغیب دی کہ تم اپنے لیے پیغام دو چنانچہ حضرت عمر نے بھی اپنی استدعا پیش کی اور وہی جواب پایا جو حضرت ابوبکر کو ملا تھا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لوگون نے آمادہ کیا لیکن آپ کو اپنی بے سرو سامانی پر تامل ہوا اور یہ بھی خیال آیا کہ اب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بعد میرے لیئے کیا گنجائش

۱؎ طبقات صفحہ ۱۱، ۲؎ اصابہ صفحہ ۲۵، ۳؎ اصابہ صفحہ ۲۵، ۴؎ طبقات صفحہ ۱۱،

ہوسکتی ہے لیکن جب لوگوں نے اس امر پر زیادہ مجبور کیا اور آنحضرت صلعم کی قرابت کا استحقاق یاد دلایا تو آپنے آنحضرت صلعم سے بطریقۂ پیغام عرض کیا رسول صلعم نے یہ استدعا قبول فرمائی اور حضرت فاطمہ سے ذکر کیا کہ علی کا رجحان خاطر تمہاری طرف ہے آپ خاموش ہو رہیں۔ چونکہ اس خاموشی سے ایک طرح کی رضامندی معلوم ہوئی اسلیئے آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے شادی کے چار مہینے بعد اوائل محرم سنہ ۲ھ میں حضرت علی سے عقد کر دیا[1]۔

حضرت علی نے شادی کے وقت اپنا اونٹ اور بعض اسباب فروخت کرڈالا تھا جسکی کل قیمت چار سو اسّی درہم تک پہونچتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ دو ثلث خوشبویات میں صرف کرو اور ایک ثلث متاع میں[2] (یعنی سامان خورد و نوش اور دیگر جملہ ضروریات خانگی) عشہ۔

شادی کا حال حضرت علی کی زبان قلم سے | حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی شادی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ دو میرے پاس ایک لونڈی تھی جس کو میں آزاد کر چکا تھا اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت فاطمہ کا کسی نے پیغام دیا؟ میں نے کہا معلوم نہیں، پھر اُس نے کہا کہ آپ پیغام دیجیے آپ کو کونسا امر مانع ہے میں نے کہا کس بنا پر پیغام دینے کی جرأت کروں، میرے پاس کوئی چیز نہیں جس سے میں عقد کروں اُسنے مکرر کہا کہ

[1] اصابہ صفحہ ۲۵ء [2] طبقات صفحہ ۱۱۔

عشہ — صاحب مصنف سیر الصحابیات صفحہ ۹۴ حضرت فاطمہ کے عقد کے بیان میں لکھتے ہیں "ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی آپ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہو گا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی اُن کو بھی آپنے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ پھر مصنف صاحب موصوف لکھتے ہیں "لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہ کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے"

معلوم نہیں ہوتا صاحب موصوف ابن سعد سے بالخصوص اس روایت سے کیوں اسقدر بدظن ہیں اور صرف حافظ ابن حجر کی نظر انداز کر دینے پر اس روایت کو غیر صحیح ماننے کی کیا وجہ ہے صاحب مصنف نے محض ذاتی رائے سے کام لیا کوئی

نہین آپ آنحضرت صلعم کے پاس جایئے چنانچہ مین اُنکے اصرار سے حضور صلعم کی بارگاہ مین گیا لیکن آنحضرت کی جلالت وہیبت کا مجھپر اسقدر اثر ہوا کہ مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہوئی اور مین خاموش بیٹھا رہا مجھمین بالکل طاقت نہ تھی کہ کچھ گفتگو کرتا لیکن حضور ہی نے توجہ فرما کر دریافت فرمایا کہ کیا فاطمہ کے پیغام کے لیئے آئے ہو۔ مین نے عرض کیا جی ہان۔ آنحضرت نے فرمایا تمھارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کے لیئے بھی ہے عرض کیا نہین، فرمایا وہ حطمی زرہ کہان ہے جو مین نے تم کو دی تھی۔ وہی مہر مین دیدو۔ اُس زرہ کی قیمت چار سو درہم سے زائد نہ تھی۔ نکاح ہوا اور وہ زرہ بالعوض مہر دیدی [۱]۔

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ انصار کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہ کے پیغام دینے کی ترغیب دی چنانچہ آپ آنحضرت صلعم کی خدمت مین گئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو آپ نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ سے عقد کی خواہش ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا "اہلاً و مرحبا" ان دو کلمون سے زیادہ آپنے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حضرت علی واپس آئے۔ انصار کی جماعت جو کہ منتظر تھی مستفسر ہوئی کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے اہلاً و مرحبا کے سوا اور کچھ نہ فرمایا۔ ان لوگون نے کہا رسول صلعم کا اہلاً و مرحبا ہی فرمانا کافی ہے۔

---

[۱] اسدالغابہ صفحہ ۵۲۰، و صفحہ ۵۲۱"۔

ء توی دلیل پیش نہین کی اور نہ کسی قسم کا محاکمہ کیا ضعف روایت کے دو ہی سبب ہوتے ہین یا تو اسناد مین کلام ہو یا درایتاً کوئی نقص ہو بغیر اسکے کہ صاحب موصوف اس اصول سے بحث کرتے اور کسی قسم کے اسباب بتلاتے صرف یہ کہکر "دو بظاہر یہ روایت صحیح نہین" عہدہ برآ کیسے ہو سکتے ہین اس روایت کی صحت مین کوئی کلام نہین، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اس پیغام دینے سے نہ اخلاق پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہے اور نہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم یا آپ کی صاحبزادی کی اسمین کسرشان ہے، متعدد صحاب کا پیغام دینا کوئی تعجب کی بات نہین۔ پھر آنحضرت صلعم سے شرف انتساب حاصل کرنے کی کسکو آرزو نہ ہوگی چہ جائیکہ حضرت ابوبکر جیسے یار غار، اور حضرت عمر جیسے حامیانِ اسلام۔ بہر حال صرف حافظ ابن حجر کا اپنی کتاب مین نہ لکھنا اس روایت کی عدم صحت کے لیئے کافی ثبوت نہین ہے۔

جب نکاح سے فراغت ہوگئی تو آنحضور رسول اکرم نے فرمایا کہ شادی کے لیے ولیمہ بھی ضروری ہے حضرت سعد نے کہا میرے پاس ایک بھیڑ ہے اس سے ولیمہ کردیا جائے اور اسی طرح سے انصار کے ایک قبیلہ نے حسب استطاعت ولیمہ کا انتظام کیا[1]"

رخصتی حضرت علی نے ایک چھوٹا سا مکان رسول صلعم کے مکان سے کسی قدر فاصلہ پر کرایہ پر لے لیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی لونڈی ام ایمن کے ہمراہ حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے گھر رخصت کر دیا۔ رخصتی کے وقت حضرت علی سے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جبتک تم مجھ سے نہ مل لو کوئی بات (فاطمہ سے) نہ کرنا۔ پھر آنحضرت صلعم حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے پانی طلب کیا اس سے وضو کیا اور حضرت علی پر وہ پانی ڈالدیا۔ اور یہ دعا پڑھی "اللھم بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما[2]"

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب دین و دنیا کے بادشاہ کی معزز بیٹی رخصت ہوکر سسرال جانے لگیں تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ جبتک میں تمہارے پاس نہ آلوں تم فاطمہ کے پاس نہ جانا۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ دونوں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ پھر آنحضرت تشریف لائے آپنے دروازہ کھلوایا۔ ام ایمن دروازہ کھولنے آئیں تو یہ گفتگو ہوئی۔

آنحضرت صلعم۔ کیا میرا بھائی بھی اس مکان میں ہے۔

اُم ایمن۔ آپ کے بھائی کیسے ہوئے حالانکہ آپنے اپنی صاحبزادی کا عقد اُن سے کیا ہے۔

آنحضرت صلعم۔ ہاں وہ ایسا ہی ہے (پھر آپنے دریافت کیا) کیا اسجگہ اسماء بنت عمیس بھی ہیں۔ اور کیا تم بنت رسول اللہ کی تعظیم و تکریم کے لیئے آئی ہو۔

اُم ایمن۔ جی ہاں اسماء بنت عمیس بھی ہیں اور میں بنت رسول اللہ کی تعظیم و تکریم کے لئے آئی ہوں

آپنے ام ایمن کو دعائے خیر سے سرفراز فرمایا پھر پانی طلب کیا۔ پیالہ یا اور کسی برتن میں پانی پیش کیا گیا۔ آپنے اُس برتن میں ہاتھ دھوئے[3] اور حضرت علی کو بلا کر اُن کے دونوں شانوں اور بازوؤں اور سینہ پر وہ پانی چھڑک دیا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا تو وہ شرم و حیا سے جھجکتی ہوئی آنحضرت کے پاس آئیں آپنے اُن پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا اے فاطمہ میں نے تمہاری شادی

[1] طبقات صفحہ ۱۳، [2] ایضا و اسد الغابہ صفحہ ۵۲۲ و اصابہ صفحہ ۲۶۷، [3] طبقات صفحہ ۱۵"۔

اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی[1] ہے۔

مہر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ مہر ادا کرتا میں اسی شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم مہر کیا دوگے میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ وہ زرہ حطمی کہاں ہے جو میں نے تم کو جنگ بدر کے بعد دی تھی۔ عرض کیا وہ میرے پاس ہے۔ فرمایا بس وہی مہر میں دیدو چنانچہ میں نے وہی زرہ حضرت فاطمہ کے مہر میں دیدی۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ اُس زرہ کی قیمت صرف چار درہم تھی[2]۔

حضرت فاطمہ کے مہر کے بارے میں ارباب سیر کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس اُس وقت زر مال کچھ نہ تھا صرف ایک زرہ تھی وہ مہر قرار دی گئی۔ بعض کہتے ہیں چار سو اسی درہم کا مہر قرار پایا جسکا ثلث حصہ رسول اللہ صلعم نے خوشبویات میں صرف کرنے کا حکم دیا بعض کا گمان ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت صلعم کے حکم سے قبل رخصتی وہی زرہ بعوض مہر حضرت فاطمہ کے روبرو پیش کی[3]۔

سامان جہیز

حضور سرور عالم نے اپنی صاحبزادی سیدۂ عالم حضرت فاطمہ کو مندرجہ ذیل جہیز دیا۔ نقشی تخت، تکیہ، (جسمیں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی) پیالہ، کپڑا، چکیاں، مشکیزہ، گھڑے
ایک ایک ایک ایک ۲ عدد ایک ۲ عدد

اولاد

حضرت فاطمہ سے دو لڑکے امام حسن، امام حسین، اور دو لڑکیاں ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئے۔ جو اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے عظیم الشان ہیں[4]۔ آنحضرت صلعم کو ان سب سے بہت محبت تھی آپکی سب صاحبزادیوں میں یہ شرف صرف حضرت فاطمہ ہی کو حاصل ہوا کہ اُن سے آپ کی نسل چلی[5]۔

اور دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محسن، اور قسم بھی آپ کی یادگار

---

[1] طبقات صفحہ ۱۵، [2] طبقات صفحہ ۱۲، [3] استیعاب صفحہ ۷۷۱، [4] طبقات صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۶، [5] استیعاب صفحہ ۷۷۱، [6] اسد الغابہ جلد ۲ ۔

صالحات سے ہیں لیکن بچپن ہی میں رحلت فرما گئے[1]۔

فضائل و مناقب حضرت فاطمہ کے فضائل و مناقب بیشمار ہیں منجملہ اُن کے اہل بیت میں اگرچہ بہت سے بزرگ داخل ہیں لیکن ان سب میں زیادہ قابل عظمت سیدۂ عالم حضرت فاطمہ کا وجود گرامی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ؕ کا نزول حضرت فاطمہ کے فضائل و مناقب پر خاص طور سے دال ہے عبدالرحمن بن ابی نعیم بروایت ابی سعید الخدری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا وسیدۃ نساء اہل الجنۃ[2]۔ یعنی فاطمہ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں"۔

ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے سب نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ واقف ہے، آپ نے فرمایا فاطمہ بنت محمد۔ خدیجہ بنت خویلد۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔ (عورت فرعون کی) ان لوگوں کو جنّت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت ہے[3]"۔

خدائے تعالیٰ نے طبقۂ نسوان میں حضرت فاطمہ کی ذات مبارک میں جو مناقب ودیعت کئے ہیں اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ مملو ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث حضرت فاطمہ کے فضائل کے لیئے ایک بہترین شاہد ہے۔ کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجۃ بنت خویلد، وفاطمۃ بنت محمّد وآسیۃ امرأۃ فرعون[4] یعنی تمہاری تقلید کیلئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم، خدیجہ، فاطمہ، آسیہ کافی ہیں۔

صداقت و راست گوئی میں بھی حضرت فاطمہ کی کوئی نظیر نہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[5] کہ مَارَأَیتُ اَحداً کان اصدق لھجۃ من فاطمۃ الا ان یکون الذی ولدھا صلعم میں نے فاطمہ سے بڑھکر راست گو کسی کو نہیں دیکھا لیکن اُن کے والد آنحضرت صلعم البتہ مستثنیٰ ہیں۔

حضرت رسول صلعم جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لاتے[6]۔ حضرت فاطمہ کے ساتھ جسقدر آنحضرت صلعم کو محبت تھی اُتنی اور کسی اولاد کے ساتھ

---

[1] زرقانی صفحہ ۲۳۳ ج ۳ - [2] استیعاب صفحہ ۷۵۰ جلد ۲ " ، [3] استیعاب صفحہ ۷۵۱ ، وصفحہ ۷۵۲ ، [4] ترمذی کتاب المناقب ، [5] استیعاب صفحہ ۷۵۲ ج ۲ - " - [6] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۳ -

تھی حالانکہ آپ کی بعض بہنین آپ سے زیادہ تیز، فہیم، اور خوبصورت تھین لیکن آنحضرت صلعم کو حضرت فاطمہ بہت محبوب تھین[۱]۔

حضرت فاطمہ اگرچہ رسول صلعم کی محبوب ترین اولاد تھین لیکن اُنھون نے کوئی دنیاوی فائدہ نہین اُٹھایا[۲]۔

حضرت فاطمہ کے منجملہ اور فضائل کے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن ایک ندائے غیبی ہوگی کہ یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ بنت محمد حتی تمر[۳]۔ اے لوگو! تم اپنی آنکھین بند کرلو تاکہ حضرت فاطمہ گذر جائین۔

رسول صلعم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیظ وغضب سے وہ غضبناک ہوتا ہے[۴]۔

آنحضرت صلعم جب کسی سفر یا جنگ سے مراجعت فرماتے تو پہلے مسجد مین تشریف لیجا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لیجاتے پھر دیگر ازواج مطہرات کے پاس[۵]۔

ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہین آپ نے جواب دیا عورتون مین فاطمہ کو اور مردون مین اُنکے شوہر علی کو[۶]۔

حضرت فاطمہ ہمیشہ سے اپنے ہر ایک انداز کھانے، پینے، بول چال لباس وغیرہ غرض ہر ایک امر مین رسول صلعم کی پوری تقلید کرتی تھین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہین کہ مین نے فاطمہ سے زیادہ نشست و برخاست، عادت وخصائل طرز وگفتگو، لب ولہجہ مین آنحضرت کے مشابہ کسی کو نہین دیکھا۔

حضرت فاطمہ جب اپنے باپ کے پاس آتین تو آنحضرت صلعم کھڑے ہوجاتے اور پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔ اور یہی طریقہ عمل حضرت فاطمہ کا بھی تھا[۷]۔

اُم سلمہ کہتی ہین کہ رفتار وگفتار مین بہترین نمونہ رسول صلعم کا فاطمہ ہین۔ یہی اسباب ہین کہ جن کی وجہ سے آنحضرت صلعم اُن سے زیادہ محبت رکھتے تھے، حضرت فاطمہ کا حلیہ بھی

۱؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۲۰ ۲؎ سنن ابو داؤد ۳؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۲۳ ۴؎ ایضاً صفحہ ۵۲۲ ۵؎ اصابہ صفحہ ۷۶۹ ۶؎ استیعاب صفحہ ۷۷۱ ۷؎ ایضاً صفحہ ۷۷۲ ۸؎ استیعاب صفحہ ۷۷۲ و ابو داؤد بروایت حضرت عائشہؓ ۱۲

آنحضرت صلعم سے بہت ملتا جلتا تھا۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہین میری آنکھون نے رسول اللہ صلعم کے بعد فاطمہ سے بہتر کسی کو نہین دیکھا[1]۔

عام حالات

لڑکی خواہ امیر کی ہو یا فقیر کی سن شعور تک تو وہ اپنے شفیق والدین کی گود مین پرورش پاتی ہے، اور فطرتاً ایک گونہ اپنے والدین، بہن بھائی اور اُس گھر سے جہان اپنی عمر کا ایک بہترین حصّہ گذار چکی ہے۔ محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے لیکن پھر وہ وقت بہت جلد آجاتا ہے جہان اُسکو ایک نئی دنیا اور نئی زندگی اور نئے لوگون کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اپنے شفیق والدین سے مفارقت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ والدین باتباع شریعت لڑکی کا ہاتھ ایک اجنبی مرد کے ہاتھ مین دیدیتے ہین اور اپنے فرض منصبی سے دست بردار ہو جاتے ہین وہ وقت لڑکی کے لیے ایک دردناک وقت ہوتا ہے۔

رخصتی کے وقت لڑکی کا گھر بجائے عشرتکدہ کے ماتمکدہ بنجاتا ہے لڑکی تقاضائے دل سے مجبور ہو کر گردن جھکائے زار و قطار روتی رہتی ہے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ سیدۃ النساء کا جب عقد ہوا تو آپ بھی بخیال مفارقت رو رہی تھین۔ اسی عرصہ مین سرور کائنات نبی صلعم مکان کے اندر تشریف لائے حضرت فاطمہ کو اس عالم (اشکباری) مین دیکھا تو فرمایا اے بیٹی فاطمہ! یہ رونا کیسا مین نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے، جو علم و حلم مین سب سے افضل اور اسلام لانے مین سب سے اول ہے[2]۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی آنحضرت صلعم عیادت کو تشریف لائے آپنے فرمایا بیٹی تم کیسی ہو، جواب دیا مجھے تکلیف ہے لیکن اُس تکلیف مین مزید اضافہ یہ ہے کہ میرے گھر مین کھانے کی کوئی چیز نہین ہے آپنے فرمایا بیٹی کیا تم کو پسند نہین ہے کہ تم دنیا کی عورتون کی سردار ہو اُنھون نے عرض کیا کہ مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے، آپنے فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتون کی سردار ہین تم اپنے زمانہ کی عورتون کی سردار ہو، اور خدا کی قسم مین نے تمہاری شادی دنیا اور دین کے سردار سے کی ہے[3]۔

آنحضرت صلعم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو ایوب انصاری کے مکان مین فروکش

---

[1] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۶۳، [2] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۰ [3] استیعاب صفحہ ۷۵۰،،

ہوئے، جب حضرت فاطمہ کا عقد ہوا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو چنانچہ ایک مکان آنحضرت صلعم کے قیام گاہ سے کسی قدر فاصلہ پر لے لیا اور اُسی مکان مین حضرت رخصت کرا کے لے گئے۔ رخصتی کے بعد آنحضرت صلعم حضرت زینب کے یہان تشریف لے گئے اثنائے گفتگو مین آپنے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ مین چاہتا ہون کہ تم کو اپنے قریب بلا لون۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ آپ حارث بن نعمان سے فرمایئے وہ کوئی مکان آپ کے قریب دیدینگے۔ آپنے فرمایا بیٹی حارث بن نعمان سے یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اتفاق سے یہ خبر حارث کو پہونچی تو بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان مین منتقل کرانا چاہتے ہین لہذا میرے مکانات موجود ہین حضرت فاطمہ کو بلا لیجئے۔ میرا جان و مال اللہ اور اُس کے رسول کے لیئے قربان ہے اور بخدا جو چیز آپ مجھ سے لین گے مجھے اُسکا آپ کے پاس رہنا میرے پاس کے رہنے سے زیادہ محبوب ہوگا۔ رسول صلعم نے فرمایا تم نے سچ کہا خدا تم کو برکت دے اور اپنی رحمت تم پر نازل کرے، پھر حضرت فاطمہ کو حارث کے مکان مین منتقل کرا لیا[1]

حضرت فاطمہ نہایت متقی، پرہیزگار، دیندار خاتون تھین اُن کی زندگی کا تمام تر حصہ زہد و قناعت پر گذرا، صبر و تحمل اور زہد و تورع اور شرم و حیا کی آپ بہترین مثال ہین دنیاوی تکالیف و مصائب کا آپ کو ذرا بھی خیال نہین ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی جس عسرت و تنگدستی مین بسر ہوئی اسکا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے گھر کا تمام کام خود کرتی تھین۔ روزانہ کی محنت و جانفشانی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھین کہ ہاتھون مین چھالے پڑ جاتے تھے، پانی کی مشک سے کمر و سینہ مین نشان بن گئے تھے، اور گھر مین جھاڑو دینے اور چولھے کے پاس بیٹھکر چولھا پھونکنے سے کپڑے میلے و کثیف ہو جاتے تھے۔

فتوحات کی کثرت تھی مدینہ مین مال و زر کے خزانے لٹ رہے تھے لیکن کوئی سوال کرے کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کا کوئی اسمین حصہ تھا تو اسکا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہین ہو سکتا۔ باین ہمہ جب آنحضرت صلعم سے یہ تکلیف دہ حالت عرض کر کے لونڈی کی استدعا کیجاتی تو آپ دوسرے طریقہ سے تسکین و تشفی، وعظ و نصیحت کر دیتے، کبھی کوئی وظیفہ بتا دیتے

---

[1] طبقات صفحہ ۱۴ و اصابہ صفحہ ۲۶۷

اور کبھی دنیا کی بے ثباتی کا حال بیان فرمادیتے، کبھی صاف انکار کرکے فرمادیتے کہ یہ فقرا و یتامیٰ کا حق ہے
ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ حقیقتاً چکی پیسنے کے نشان حضرت سیدۃ النساء فاطمہؓ کے ہاتھوں میں پڑگئے
تھے اور چولھا پھونکنے سے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا تھا لیکن یہ قدرت نہ تھی کہ ایک کنیز رکھ سکیں
ایک دن حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا اب تو پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کرنے لگا، آجکل دربار
نبوت میں بہت سے قیدی آئے ہیں تم جاؤ اور ایک خادم آنحضرت صلعم سے مانگو۔ حضرت فاطمہ نے کہا
میں اپنا حال کس سے کہوں میرا خود یہ حال ہے کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑگئے، پھر آپ اپنے
والد بزرگوار رسول صلعم کی خدمت میں گئیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کیا حال ہے کیسے آئیں کیا کوئی
کام ہے آپنے عرض کیا کوئی کام نہیں صرف سلام کے لیئے حاضر ہوئی۔ حضرت فاطمہ مراسم آداب و
سلام بجالاکر اپنے گھر واپس آئیں جن باتوں کے اظہار کی ضرورت تھی اور جس گذارش کے لیئے گئی
تھیں شرم کے مارے اُسکا اظہار نہ کیا۔ جب گھر واپس آئیں تو حضرت علی نے کہا تم جس کام کو گئی
تھیں کیا کرکے آئیں آپنے کہا میں سلام کرکے چلی آئی۔ میری شرم و حیا نے اجازت نہ دی کہ میں
کوئی سوال کرتی۔ پھر دونوں میاں بیوی آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے حضرت علی نے عرض
کیا یا رسول اللہ پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کرآیا حضرت فاطمہ نے عرض کیا چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں
گھٹے پڑگئے اب ایسی تکلیفیں ناقابل برداشت ہیں حضور کی بارگاہ میں بہت سے قیدی آئے ہیں
اُن میں سے ایک ہم کو دیجیئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا بخدا میں تم دونوں کو کوئی خادم نہیں دونگا
کیا میں اہل صفہ کے حق کو چھوڑدوں اور اُن کو بھول جاؤں۔ جو فقر و فاقہ کی بدولت نان شبینہ کو
محتاج ہیں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ میں اُن لوگوں کے لیئے صرف کروں اور امداد
دوں سوائے اُس کے کہ ان قیدیوں کو فروخت کردوں اور اُسکی قیمت سے اہل صفہ کی ضرورت
پوری کراؤں۔ جب یہ دونوں ایک منصفانہ جواب سنکر گھر واپس آئے تو آنحضرت صلعم اُن کے گھر
تشریف لائے اُسوقت دونوں اپنے اپنے فقیرانہ بستروں پر آرام کے لیئے لیٹ چکے تھے لیکن جب
آنحضرت صلعم کو آتے دیکھا تو تعظیماً و تکریماً اُٹھے آپ نے فرمایا تم نے جس چیز کی ضرورت ظاہر کی
تھی اور جس کے تم خواہشمند تھے اُس سے بہتر ایک چیز تم کو بتانے کے لیئے آیا ہوں اُنھوں نے
عرض کیا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ و اللہ اکبر

پڑھا کرو، اور سوتے وقت سبحان اللہ والحمد للہ ۳۳-۳۳- بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھکر دم کرلیا کرو یہی تمہارے لیے بہترین خادم ہیں[1]۔

اسی روایت کے سلسلہ میں راوی نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی بے بضاعتی و بے مائیگی کا اظہار کیا ہے کہ جب وہ دونوں بستروں پر آرام کے لیے لیٹے تو اوڑھنے کا چادرہ اس قدر چھوٹا تھا کہ جب آپ دونوں اپنے پیروں کو ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھانکنا چاہتے تو پیر کھل جاتے تھے[2]۔

حضرت علی جناب سیدہ فاطمہ کی خاطرداری کا بہت خیال رکھتے تھے، اور کوئی بات منشا کے خلاف پسند نہ کرتے تھے، لیکن پھر بھی رسول صلعم اُن کو تاکید فرماتے تھے کہ فاطمہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اُدھر حضرت فاطمہ کو بھی باربار نصیحت کرتے رہتے تھے کہ عورت کا بڑا فرض شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے آپ ہمیشہ دونوں کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔ لیکن زن و شوئی کے تعلقات معاشرت ایسے اہم اور سخت ہیں کہ کیسی ہی احتیاط کیجائے پھر بھی کبھی نہ کبھی ایسے اتفاقات پیش آجاتے ہیں جس سے رنج و ملال پیدا ہو جاتا ہے جس سے لطف و محبت کی زندگانی میں بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کیساتھ قدرے تشدد سے کام لیا آپ کو ناگوار گذرا آپ کبیدہ خاطر اپنے والد بزرگوار رسول صلعم کی خدمت میں گئیں آپ کے پیچھے پیچھے حضرت علی بھی گئے اور ایسی جگہ کھڑے ہو گئے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت فاطمہ کی گفتگو سن سکیں، حضرت علی کی شدت مزاج و غصہ کی شکایت کی آپ نے فرمایا اے بیٹی جو کچھ میں کہوں اسکو غور و فکر سے سنو اور عمل کرو۔ وہ مرد و عورت ہی کیا جنکے درمیان کوئی امر واقع نہ ہو اور یہ کیا ضروری ہے کہ مرد تمام کام عورت کے منشا کے مطابق ہی کرے اور شوہر اپنی بیوی کو کچھ نہ کہے[3] حضرت علی پر اس مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ پھر اُنھوں نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے حضرت فاطمہ کبیدہ خاطر ہوتیں۔

حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ میں جو تشدد حضرت فاطمہ پر کرتا تھا اُس سے میں دست بردار

[1] طبقات صفحہ ۱۶ و اصابہ صفحہ ۲۷۷ و صفحہ ۲۷۸ [2] طبقات صفحہ ۱۶ [3] طبقات صفحہ ۱۶

ہو گیا۔ اور میں نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں اب ایسا فعل نہ کرونگا جس سے تم رنجیدہ ہو اور تمہاری دلشکنی ہو۔ [۱]

حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے درمیان جب کبھی خانگی معاملات میں کوئی رنجش ہو جاتی تو آنحضرت صلعم اُسی طرح صلح کرا دیتے۔ اور آپ کو ان دونوں کی مصالحت سے غیر معمولی مسرت ہوتی تھی ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پھر پیش آیا آپ حضرت علی کے یہاں تشریف لیگئے اُسوقت آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ آثار رنج و ملال کے نمایاں تھے۔ آپ نے ان دونوں میں صلح کرا دی۔ جب باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرہ مبارک بشاش تھا لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے جب آپ گھر میں تشریف لے گئے تو آپکا چہرہ متغیر تھا اور اب بشاش ہے۔ فرمایا میں نے ایسے دو شخصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھے محبوب تر ہیں [۲]

آنحضرت صلعم دنیاوی زینت و آرایش کو بہت ناپسند فرماتے تھے اور اولاد کے لیے بھی یہی صورت تھی آپ خود بھی زینت و آرایش کی چیز اولاد کو نہ دیتے تھے اور نہ دوسروں کو دینا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو ایک سونیکا ہار دیا جب آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپنے فرمایا اے فاطمہ کیا تم لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے حضرت سیدہ فاطمہ نے اُس کو فروخت کرکے اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لگا دیے، اور امام حسن، و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنا دیے جب آنحضرت صلعم حسب معمول حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے تو اس ساز و سامان کو دیکھکر واپس تشریف لے گئے حضرت فاطمہ کو آپ کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو سمجھ گئیں کہ مزاج کے خلاف گذرا فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا صاحبزادوں سے

[۱] طبقات صفحہ ۱۶ و اصابہ صفحہ ۱۳۴ ج ۸، [۲] ایضاً،

ہاتھوں سے کنگن اُتار لیئے۔

صاحبزادے روتے ہوئے آنحضرت صلعم کے پاس گیئے، آپ نے فرمایا اگرچہ میرے اہل بیت ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ دنیا کے زخرفات سے آلودہ ہوں۔ اور صحابہ سے فرمایا کہ اسکے عیوض ہاتھی دانت کے کنگن خرید کر لا دو[1]۔

ابن ہشام بن مغیرہ برادر ابی جہل نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تم عورا بنت ابی جہل سے نکاح کر لو حضرت علی کا یہ ارادہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا آپ مسجد میں تشریف لائے اور ممبر پر یہ خطبہ پڑھا۔

ان بنی ہشام بن المغیرۃ استاذنونی
ان ینکحوا ابنتہم علی بن ابی طالب
فلا اذن ثم لا اذن الا ان یرید
ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح
ابنتہم فانما ھی بضعۃ منی یریبنی
ماارابھا ویؤذینی ما اذاھا[2]۔۔۔

آل ہشام علی بن ابی طالب سے اپنی لڑکی کا نکاح
کرنے کے لیئے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں لیکن
میں اجازت نہ دونگا البتہ بن ابی طالب میری
لڑکی کو طلاق دیکر اُس کی لڑکی سے نکاح کریں
فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس نے اُسکو اذیت
دی گویا اُس نے مجھے اذیت دی جس سے اُسے دُکھ
پہونچے گا اس سے مجھے بھی پہونچے گا۔

اور فرمایا،،

وانی لست احرم حلالاً ولا احل
حراماً ولکن واللہ لا تجتمع بنت
رسول اللہ وبنت عدو اللہ
ابداً[3]۔

اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں
کرنا چاہتا ہوں لیکن خدا کی قسم ایک رسول
کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ
جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی زندگی تک کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا[4]۔
کسی صاحب کو مبادا یہ خیال ہو کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلعم نے صرف اپنی بیٹی پر سوت سہنے کی

---

[1] ابوداؤد ونسائی سے ماخوذ۔ [2] صحیح بخاری صفحہ [illegible] ج ۲۔ [3] صحیح بخاری صفحہ [illegible] ج ۲۔
[4] استیعاب جلد ۲ صفحہ [illegible]،،

وجہہ سے حضرت علی کو اجازت نہ دی،، خطبہ میں یہ الفاظ نہیں اور نہ خطبہ سے دنیاوی مفاد کا ترشح ہے یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کوئی دنیاوی فائدہ کبھی نہیں حاصل کیا باوجود رسول خدا ہونے کے اپنی عمر نہایت عسرت و تنگی سے بسر کی تاکہ غافلین دنیا متنبہ ہو جائیں کہ دنیا کاملین کے لیے باعث عزت و وقعت نہیں ۔

حضرت علی کو اجازت نکاح نہ دینے کے چند وجوہ ہیں اولاً اس وجہ سے کہ اُس سے حضرت فاطمہ کو تکلیف پہونچتی اور اس تکلیف کا پہونچنا گویا آنحضرت صلعم کو تکلیف پہونچانا تھا اور آنحضرت صلعم کو تکلیف دینا گویا خدائے تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے[1] ۔ اور ایسا فعل حضرت علی مرتضیٰ کے لیئے زیبا نہ ہوتا ۔ دوسرے اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ پر بسبب غیرت کے فتنہ و فساد کا احتمال تھا تیسرے آنحضرت صلعم کا اجازت نہ دینا کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ دو عورتوں کا جمع ہونا پسند نہیں فرماتے تھے اسلیے ممانعت فرمائی ۔ ہرگز ایسا خیال نہ تھا بلکہ آپ نے قضائے الٰہی سے متنبہ فرمایا کہ تقدیر الٰہی یہی ہے کہ یہ دونوں جمع نہ ہوں سکے[2] ۔

یحییٰ ابن سعید قطانی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد سے لا اٰذن الا ان یرید بن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتھم ،، اس ارشاد نبی صلعم کے معنی پوچھے تو اُنھوں نے کہا کہ اللہ نے حرام کر دیا حضرت علی پر کہ وہ حضرت فاطمہ کی حیات میں کسی اور سے نکاح کریں کیونکہ کلام اللہ میں ہے ،، وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[3] (ترجمہ) اور (مسلمانو!) پیغمبر جو چیز تم کو (ہاتھ اُٹھا کر) دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لیے تم کو منع کریں اُس سے دست کش رہو ،،

جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں اجازت نہیں دیتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہ کی موجودگی میں بلا اجازت آنحضرت صلعم کے دوسری عورت سے نکاح درست نہیں ۔

عمرو بن داؤد کہتے ہیں چونکہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے ،، فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا ،، لہٰذا بیشک حضرت علی پر حرام ہے کہ فاطمہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا نکاح کریں ،، اور اس سے آنحضرت صلعم کو تکلیف دیں ،، اور وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ

[1] الدرۃ البیضا حالات فاطمہ [2] ایضاً [3] حشر پارہ ۲۸ ع ۵

کے موافق بھی کسی مسلمان کو لائق نہین ہے کہ رسول اللہ صلعم کو تکلیف وایذا پہونچائے۔

یحییٰ بن سعد قطانی اور عمرو بن داؤد نے اس مسئلہ کو بہت واضح اور مشرح طریقہ سے صاف کر دیا اب کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہین ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا اور وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ سے تمام شکوک محو ہوگئے۔ اور اسی پر کاربند رہنا چاہیے۔

شعار اسلام ہمارا ایمان ہے کہ ہم اُس کو تسلیم کرین اور دل سے عمل کرین رسول اللہ کا ہر فعل ہمارے لیے طریقۂ عمل ہے خدائے تعالیٰ متعدد جگہ اپنے رسول کی اطاعت کے لیے فرماتا ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ۔ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (آل عمران پارہ ۳)

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء پارہ ۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ اے وہ لوگو ن کہ ایمان لائے ہو اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ کرو اور اُس سے روگردانی نہ کرو (انفال پارہ ۹)

خدائے تعالیٰ اپنے رسول کا مرتبہ بتلا کر بندون کو متنبہ کرتا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ پیغمبر مسلمانون پر خود اُن کی جانون سے بھی حق زیادہ رکھتے ہین وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ (اور مسلمانون کے باپ کی جگہ ہین) اور پیغمبر کی بیویان (ادب و تعظیم مین) اُنکی مائین ہین۔ (الاحزاب پارہ ۲۱)[1]

مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی جان کا پاس کرتا ہے لیکن پیغمبرون کے حکم کا پاس اس سے زیادہ کرنا چاہیے۔ جو شخص خدا کے رسول کو قولاً و فعلاً جانی و مالی کوئی ایذا دے یا اُن کے فعل حکم کو استہزا قرار دے یا نکتہ چینی کرے تو اُسکے لیے خدائے تعالیٰ تہدید کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو کسی طرح کی ایذا دیتے ہین اُن پر دنیا لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ اور آخرت مین خدا کی پھٹکار ہے اور خدا نے اُن کے لیے ذلت کا وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا عَظِيمًا۔ عذاب تیار کیا ہے (الاحزاب پارہ ۲۱)

---

[1] الدرۃ البیضاء حالات حضرت فاطمہ ۱۲۔۔

آنحضرت صلعم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور امام حسن، اور امام حسین سے فرمایا کہ تم لوگوں کی جس شخص سے لڑائی ہے اُس سے میری بھی لڑائی ہے اور جس سے تمہاری صلح ہے اُس سے میری بھی[1] یعنی جن لوگوں سے تم رضامند نہ ہوگے اُن سے میں بھی رضامند نہ ہوں گا اور جس سے تم خوش رہوگے اُس سے میں بھی۔ یہ اقتضائے محبت کا انتہائی اثر ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں جس وقت میری شادی حضرت فاطمہ سے ہوئی تو میرے اور فاطمہ کے لیے کوئی بستر تک نہ تھا صرف ایک بھیڑ کی کھال تھی رات کو اُس پر لیٹ رہتا تھا اور دن میں اُس سے مشکیزہ کا کام لیتا تھا اور نہ کوئی خادم تھا۔[2]

ایک دفعہ حضرت علی نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ ہم دونوں (فاطمہ و علی) میں سے کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ فاطمہ محبوب ہو اور فاطمہ سے زیادہ تم عزیز ہو۔[3]

آنحضرت صلعم کی سرگوشی { مشہور روایت کے مطابق حضرت فاطمہ کی عمر اُنتیس سال کی تھی کہ وحادثہ جانگداز — } والد بزرگوار رسول صلعم کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا یہ صرف داغ مفارقت نہ تھا بلکہ داغ یتیمی تھا۔

آنحضرت صلعم کی محبوب ترین اولاد آپ ہی تھیں، اور دوسرے آنحضرت صلعم کی اولاد میں صرف آپ ہی کا وجود گرامی یہ صدمۂ جانکاہ اُٹھانے اور رونے کے لیے باقی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ وفات سے قبل آنحضرت صلعم کے پاس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ فاطمہ آئیں تو آنحضرت صلعم نے مرحبا یا بنتی "کہکر اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھا لیا پھر آپ نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا وہ رونے لگیں پھر دوبارہ کچھ کان میں فرمایا تو ہنسنے لگیں مجھے بڑا تعجب ہوا اور مجھ سے نہ رہا گیا میں نے فاطمہ سے پوچھا یہ کیا بات ہے اس سے قبل میں نے ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا اتصال نہیں دیکھا جیسا کہ اس موقع پر دیکھا۔ فاطمہ نے جواب دیا میں ہرگز اپنے باپ کا راز فاش نہ کروں گی جب رسول صلعم کا وصال ہوگیا تو میں نے پھر فاطمہ سے کہا اُس روز رونے اور ہنسنے کا کیا سبب تھا فاطمہ نے کہا چونکہ آنحضرت صلعم

[1] اصابہ صفحہ ۳۷۸، [2] طبقات صفحہ ۱۳، [3] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۲

اس عالم سے تشریف لے گئے اسلئے اب میں اُس واقعہ کو بیان کرتی ہوں دو پہلی مرتبہ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ جبریل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک کا دور کرتے تھے اس کے خلاف معمول سال میں دوبارہ دور کیا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے اور تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملوگی یہ سن کر میں رونے لگی پھر آپ نے دوبارہ فرمایا کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ تم دنیا کی تمام عورتوں کی سردار ہو میں یہ سنکر ہنسنے لگی[1]۔

وفات سے قبل جب آنحضرت صلعم پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہ فرماتی تھیں۔ واکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی بے چینی۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا تمہارا باپ آج کے بعد پھر بے چین نہ ہوگا۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد تک بنات طیبات میں صرف حضرت فاطمہ کا وجود گرامی تھا لیکن حقیقتاً امر یہ ہے کہ آپ پر بہت بڑی مصیبت پڑی اور آپ کی زندگی بھی اُسی دن ختم ہو گئی جس دن یہ صدمہ جانکاہ دیکھنا نصیب ہوا۔

کتب سیر میں مذکور ہے کہ وفات کے بعد حضرت فاطمہ بہت رنجیدہ رہا کرتی تھیں چنانچہ بقیہ ایام حیات میں آپ کو کسی نے ہنستا ہوا نہیں دیکھا[2]۔

جب آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین سے صحابہ فارغ ہو کر حضرت فاطمہ کی خدمت میں آئے اور آپ کی تسلی و تشفی کرنے لگے تو آپ نے حضرت انس رض سے پوچھا کیا تم رسول اللہ کو دفن کر آئے اُنھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے کیسی من خاک کے نیچے آنحضرت کو دبا دیا[3]۔

آنحضرت صلعم کی قبر پر آپ تشریف لے گئیں وہاں روئیں اور ایک مٹھی خاک قبر شریف سے لیکر آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے[4]۔

ماذا علی من شمّ تربۃ احمد — کیا ہے اُس شخص کو جو خاک تربہ مبارک آنحضرت صلعم
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا — سونگھے لازم ہوا اسپر یہ کہ پھر وہ تمام عمر کوئی خوشبو نہ سونگھے

---

[1] طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۷ و اسد الغابہ صفحہ ۵۲۲ و اصابہ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۱۵۷۔ [2] در منثور صفحہ ۳۵۹ و اسد الغابہ صفحہ ۵۲۲ ج ۵ [3] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۳ [4] در منثور صفحہ ۱۶۶۔

صُبَّت علیّ مصائب لوا نّھا	مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں اگر وہ دنوں پر پڑتیں
صُبَّت علی الأیّام صِرن لیا لیا	تو وہ رات ہو جاتے ۔

یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہیں۔ جو حضرت فاطمہ نے وقت حاضری مزار مبارک پڑھے اور جو اشعار آنحضرت صلعم کے مرثیہ کے متعلق آپ سے منسوب ہیں وہ یہ ہیں ۱؎

اغبرّ آفاق السّماء وکوّرت	غبار آلودہ کنارے آسمان کے لپیٹ دیا گیا
شمس النھار و اظلم العصران	آفتاب اور تاریک ہو گیا زمانہ ۔
والارض من بعد النّبی کئیبۃ	اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین غمگین و رنجیدہ ہے
اسفا علیہ کثیرۃ الاحزان	بلکہ بوجہ کثرت آلام و افسوس کے شق ہوئی جاتی ہے
فلیبکہ شرق البلاد و غربھا	آنحضرت صلعم پر مشرق و مغرب کے شہر کے لوگوں کو
ولتبکہ مضر و کل یمان	اور قبیلہ مضر اور تمام اہل یمن کو رونا چاہیئے ۔
ولیبکہ الطود الاشم وجوّہ	بلکہ بڑے بڑے پہاڑ اور خلوے زمین و آسمان اور
والبیت و الاستار والارکان	بیت اللہ شریف جس پر پردے لٹکے ہوئے اور ستون ہیں اللہ سے اس کو بھی رونا چاہیئے ۔ اے سب رسولوں
یا خاتم الرسل المبارک ضوءہ	کے خاتم کہ مبارک ہی شاخ اُن کی (سلسلہ نسب)
صلّی علیک منزل القرآن ۲؎	رحمت بھیجے آپ پر اُتارنیوالا قرآن کا (یعنی خدا نے آپ پر رحمت بھیجی ہے)

آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ جو کچھ میراث ہو اس کو تقسیم کر دو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ رسول اللہ کے اعزّہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیا جو مال متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے اس میں وراثت نہیں ہوتی اس بنا پر میں کیونکر تقسیم کر سکتا ہوں ۔ اس پر حضرت فاطمہ کو بہت قلق ہوا ۳؎

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ کو اس گفتگو سے سخت صدمہ ہوا اور وہ حضرت ابوبکر سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک اُن سے اس معاملہ میں بات چیت نہ کی ۴؎ ۔

۱؎ در المنثور صفحہ ۳۶۶، ۲؎ ایضاً، ۳؎ طبقات صفحہ ۱۸۱، ۴؎ صحیح بخاری صفحہ ۵۲۲ ج ۲ ۔ ۔۔

لیکن طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ بیمار ہوئیں اور حضرت ابوبکر آپکو دیکھنے کے لئے آئے تو آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی حضرت علی نے اپنی بیوی سیدہ حضرت فاطمہ سے کہا کہ ابوبکر اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا اس کو تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں چنانچہ وہ اندر آئے مزاج پرسی کی اور معذرت چاہی آپ اُن سے خوش ہوگئیں ۱؎ اور کوئی رنج دل میں نہ رہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو پہلے بہت ناراض ہوں لیکن بعد میں آپ خوش ہوگئیں اور گذشتہ باتوں کا کچھ نہیں خیال کیا۔

وفات

حضرت فاطمہ سیدہ عالم کی اور تین بہنیں جس طرح عین جوانی کی حالت میں گذر گئیں اسی طرح حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلعم کی وفات کے آٹھ ماہ بعد اور بعض کے نزدیک ۷۰ یوم کے بعد اس دنیائے فانی سے کوچ کیا ۲؎ اور بعض کے نزدیک دو مہینے اور بعض کے نزدیک چار مہینے لیکن صحیح یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے چھ مہینے بعد بہ عمر اُنتیس ۲۹ سال ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ ہجری راہگرائے فردوس بریں ہوئیں ۳؎ ۔

آنحضرت صلعم کی یہ پیشینگوئی کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے ملوگی پوری ہوئی۔

اُنتیس ۲۹ سال کی عمر اُسی وقت تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ سنہ ولادت پانچ سال قبل نبوت تسلیم کیا جائے۔ اگر سنہ ۱ محمدی سنہ ولادت مانا جائے تو یہ عمر نہیں ہوسکتی ہاں اگر چوبیس سال عمر تسلیم کی جائے تو البتہ سنہ مذکور کے مطابق یہ سن شریف ہوسکتا ہے لیکن ارباب سیر نے اُنتیس ۲۹ سال بالاتفاق تسلیم کیا جس سے سنہ ولادت پانچ سال قبل نبوت ثابت ہوتا ہے۔

واقدی مؤرخ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا انتقال ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ ہجری میں ہوا حضرت عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت علی اور فضل و حضرت عباس نے قبر میں اُتارا ۴؎ ۔

آپ کے مرض الموت کے متعلق صفحات تاریخ بالکل ساکت ہیں مگر جہاں تک معلوم ہوسکا وہ یہی ہے کہ آپ کا انتقال کسی ایسے سخت مرض میں ہوا کہ جسکی وجہ سے کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہیں

۱؎ طبقات صفحہ ۱۷ ۲؎ استیعاب صفحہ ۷۷۳ ۳؎ طبقات صفحہ ۱۸ و اسد الغابہ صفحہ ۵۲۴ ۴؎ ایضاً و اصابہ صفحہ ۱۳۱ و استیعاب صفحہ ۷۷۳

ام سلمہ کہتی ہیں کہ جسوقت حضرت فاطمہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو حضرت علی گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے حضرت فاطمہ نے مجھ سے کہا کہ پانی کا انتظام کردو میں غسل کرونگی اور صاف و عمدہ کپڑے نکال دو وہ پہنونگی چنانچہ میں نے یہ سب انتظام کردیا۔ آپ نے خوب اچھی طرح غسل کرکے کپڑے پہنے پھر فرمایا کہ میرا بستر کردو میں لیٹونگی میں نے بستر بھی کردیا وہ بستر پر قبلہ رو لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا اب مفارقت کا وقت قریب ہے میں غسل کر چکی ہوں اس لیئے اب غسل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اب میرا بدن کھولا جائے چنانچہ اسکے بعد ہی انتقال ہو گیا جب حضرت علی آئے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے اسی غسل پر اکتفا کیا اور انکو دفن کردیا گیا[1]۔ یہی روایت کتاب اصابہ میں ام رافع سے مروی ہے۔

جنازہ میں بہت کم لوگوں کو شرکت کا موقع ملا[2] اس کی وجہ یہ تھی کہ رات کو انتقال ہوا اور حضرت علی سے وصیت کردی تھی کہ میں رات کو دفن کردی جاؤں چنانچہ رات ہی کو دفن کردی گئیں[3] چونکہ رات کا وقت تھا لوگوں کو وفات کی خبر نہ پہنچ سکی۔ اسلیئے اکثر لوگ شرکت دفن سے محروم رہے۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے مزاج میں انتہا کی شرم و حیا تھی جب آپکی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ عورت کا جنازہ قبرستان تک کھلا ہوا جائے اس میں بے پردگی ہوتی ہے اور مرد و عورت کے جنازہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی، مرد برابر کرتے ہیں کہ جنازہ کھلا ہوا لیجاتے ہیں یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے حضرت اسماء نے کہا بنت رسول اللہ میں نے حبش میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے اگر آپ حکم دیں تو وہی طریقہ پیش کروں۔ یہ کہکر کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور انپر کپڑا تانا جس سے ایک پردہ کی صورت نکل آئی۔ آپ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور بہت خوش ہوئیں[4]۔ چنانچہ آپ کا جنازہ اسی طرح پردہ میں قبر تک گیا اور اسلام میں یہی پہلی خاتون ہیں جنکا جنازہ اس طریقہ سے اٹھایا گیا۔ آپ ہی کی ذات مقدس نے اس پردہ کو رائج کیا اور آجتک اسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔

[1] طبقات صفحہ ۱۷ و صفحہ ۱۸، [2] اصابہ صفحہ ۶۲۷، [3] اسد الغابہ صفحہ ۵۲۲، [4] ایضاً صفحہ ۲۲۷۔

آپکے بعد حضرت زینب بنت جحش کا بھی جنازہ اسی طرح اُٹھایا گیا[۱]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو مغموم و محزون اور بہت پریشان تھے اسی شدت غم و الم میں آپ نے یہ شعر پڑھے[۲]۔

اری علل الدنیا علی کثیرۃ	میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ میں دنیا کی بیماریاں بکثرت
وصاحبھا حتی الممات علیل	پیدا ہو گئیں ہیں اور اہل دنیا جبتک دنیا میں ہیں بیمار ہی اور
لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ	ہر یکجائی (ہر وصل) کے بعد دو دوستوں سے مفارقت
وکل الذی دون الفراق قلیل	ہو جاتی ہے اور وہ زمانہ جو فراق کے سوا ہوتا ہے وہ تھوڑا ہوتا ہے۔
وان افتقادی فاطما بعد احمد	رسول صلعم کے بعد فاطمہ کی مفارقت اس بات پر دلالت
دلیل علی ان لا یدوم خلیل	کرتی ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمہ کی قبر شریف پر روزانہ تشریف لیجاتے اور حضرت فاطمہ کو یاد کر کے یہ شعر پڑھتے[۳]۔

مالی مررت علی القبور مسلما	خدایا کیا ہے میرے واسطے کہ میں قبروں پر گذرتا ہوں
	درانحالیکہ حبیب کی قبر کی جانب سلام کرنے والا ہوتا ہوں
قبر الحبیب فلم یرد جوابی	لیکن حبیب کی قبر میرے سلام کا جواب نہیں دیتی
یا قبر مالک لا تجیب منادیا	اے قبر تجھکو کیا ہو گیا ہے کہ پکارنے والے کو کوئی جواب
	نہیں دیتی (معلوم ہوتا ہے) کہ تو نے میرے بعد (آئندہ کیلئے)
املت بعدی خلۃ الاحباب	دوستوں کی محبت (رسی) کو ملول کر دیا (منقطع کر دیا)

اس شعر کے جواب میں حضرت علی کو (حضرت فاطمہ کی طرف سے) ہاتف غیبی نے یہ جواب دیا[۴]۔

قال الحبیب و کیف لی بجوابکم	حبیب نے کہا میں کیونکر جواب دوں اور کون فامن ہے میرے کہ جواب
وانا رھین جنادل وتراب	دے اور میرا حال تو یہ ہے کہ میں بڑے بڑے پتھروں اور مٹی کے

---

[۱] استیعاب صفحہ ۷۶۲، [۲] درالمنثور صفحہ ۳۶۰، [۳] درالمنثور صفحہ ۳۶۰، [۴] ایضاً در صفحہ ۳۶۰، و صفحہ ۳۶۱۔

اکل التراب محاسنی فنسیتکم
وحجبت عن اھلی وعن اترابی
فعلیکم منی السلام تقطعت
منی ومنکم خلة الاحباب

کیف ڈھیر مین بنی ہوئی ہون مٹی نے میرے تمام محاسن کو کھا لیا اور مین تم کو بھول گئی اور مین اپنے اہل اور ہمعصر لوگون سے پوشیدہ ہو گئی ہون — تم کو میری طرف سے سلام پہونچے (اور افسوس) مجھ سے اور تم سے دوستی کی رسی منقطع ہو گئی —

دفن واقدی کہتے ہین مین نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے کہا کہ اکثر لوگون کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہ کی قبر مقام بقیع مین ہے۔ آپ کا اس بارہ مین کیا خیال ہے۔؟ تو اُنھون نے جواب دیا کہ مقام بقیع مین وہ دفن نہین کی گئین لیکن دردارعقیل، مین دفن کی گئین اُن کی قبر اور راستہ کے درمیان تقریباً سات ہاتھ کا فاصلہ ہے[۱]۔

شرف فضیلت اس امر مین محدثین کا اختلاف ہے۔ کہ اس امت مین شرف افضلیت کسکو حاصل ہے کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو افضل قرار دیا ہے، کسی نے حضرت فاطمہ رضؓ کو لیکن عام مسلمانون کا اعتقاد یہی ہے کہ حضرت فاطمہ افضل ہین۔

پھر اس امر مین بھی اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ افضل ہین یا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حیثیتین مختلف ہین۔ اوّلیت اسلام، اور ابتدائی کوششون، اور تصدیق رسالت، اور آنحضرت صلعم کی اعانت و امداد کے لحاظ سے حضرت خدیجہ رضؓ افضل ہین۔ اور علم و عظمت، ذکاوت، ذہانت، عقلمندی کو دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا مرتبہ زیادہ ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ حضرت فاطمہ کی فضیلت اسوجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی ہین لیکن یہ خیال صرف حسن اعتقاد پر ہے۔ اُن کی ذاتی خوبیون کا مجموعۂ جوہر خود اُن کی افضلیت پر دال ہے۔ اسلام نسبی حسبی، شرافت کا لحاظ نہین رکھتا، زہد و تقویٰ خود ایک ایسا وصف ہے جو اپنے معیار کے اعتبار سے ہر خوبی کے لیئے کفیل ہو سکتا ہے۔

---

[۱] اصابہ صفحہ ۱۵۸۔

آنحضرت صلعم نے خود ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں تمہارا باپ ہوں، آخرت میں تمہاری مدد کرونگا میں بلا اذن کسی کی شفاعت نہ کرونگا تم خود عمل صالح کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اُسی سے امداد چاہو۔ اور یہ سمجھ لو کہ آخرت میں کوئی چیز سوائے عمل صالح کے فائدہ مند نہیں ؎

حضرت اُمامہ رضؓ

نام اُمامہ نام ہے، ان کے والد ماجد حضرت ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ، اور والدہ ماجدہ حضرت زینب رضؓ بنت رسول اللہ ہیں [1]۔

ولادت اپنے نانا آنحضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پیدا ہوئیں [2]۔

نکاح آنحضرت صلعم کی حیات مبارک میں جب سن شعور کو پہونچیں تو اُن کی شادی کی فکر ہوئی۔ چونکہ حضرت فاطمہ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت فاطمہ کی وصیت بھی یہی تھی کہ میرے بعد حضرت علی اُمامہ سے عقد کریں۔ اسلئے حضرت امامہ کا عقد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کر دیا گیا۔

حضرت امامہ کی شادی کا سرانجام زبیر بن العوام کے ہاتھوں ہوا تھا اسلئے کہ حضرت ابو العاص نے انہی کو حضرت امامہ کے نکاح کرنے کی وصیت کی تھی [3]۔

جب حضرت علی سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے تو اس خیال سے کہ معاویہ حضرت امامہ سے عقد نہ کرلیں۔ آپ نے مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم میرے بعد امامہ سے عقد کرلینا چنانچہ حضرت علی کے انتقال اور عدت گذرنے کے بعد مغیرہ بن نوفل سے عقد ہوگیا۔

[1] طبقات صفحہ ۲۶ و اسد الغابہ صفحہ ۴۰۰ و استیعاب صفحہ ۷۲۰ و در المنثور صفحہ ۶۵۔ [2] ایضاً۔

[3] اسد الغابہ صفحہ ۴۰۰ و استیعاب صفحہ ۷۲۰۔

عام حالات جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال مبارک تھا وہی پیش آیا یعنی حضرت معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ امامہؓ کو پیغام دو اور ایک ہزار دینار اس تقریب مین صرف کرو، لیکن جب حضرت امامہ کو یہ خبر پہونچی تو مغیرہ بن نوفل کو اطلاع دی مغیرہ بن نوفل نے فوراً حضرت امام حسن علیہ السلام کی اجازت سے حضرت امامہ سے نکاح پڑھا لیا[1]۔

حضرت امامہ آنحضرت صلعم کو زیادہ محبوب تھین حتیٰ کہ اوقات نماز مین بھی جدا نہ فرماتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت شانہ مبارک پر بٹھا لیتے تھے جب رکوع مین جاتے تو شانہ مبارک سے اُتار دیتے۔ اور جب سجدہ کرکے سر مبارک اُٹھاتے۔ تو پھر کاندھے پر بٹھا لیتے۔ اسطرح پوری نماز ادا کرتے تھے[2]۔ یہ انتہائی محبت کا تقاضا تھا۔

ایک دفعہ کہین سے تحفہ مین ایک ہار آیا۔ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے اور فرمایا یہ ہار مین اسکو دونگا جو میرے اہل بیت مین مجھے زیادہ محبوب ہوگا۔ ازواج مطہرات کو خیال ہوا کہ شاید حضرت عائشہ رضؓ کا حصہ ہوگا لیکن آپ نے حضرت امامہ کو بلایا اور اُنکے گلے مین وہ ہار پہنا دیا[3]۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ مین ہار نہین آیا تھا بلکہ ایک سونے کی انگوٹھی تھی جو نجاشی نے بھیجی تھی۔ آپ نے وہی حضرت امامہ کو دیدی[4]۔

اولاد مغیرہ بن نوفل کے صلب سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا اور اسی نام سے مغیرہ بن نوفل کی کنیت ابو یحییٰ تھی[5]۔

وفات حضرت امامہ کی آخری زندگی مغیرہ بن نوفل کے ساتھ بسر ہوئی حتیٰ کہ آپ کا انتقال بھی مغیرہ بن نوفل کے گھر مین ہوا[6]۔

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۲۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۷ و صفحہ ۷۲۸ [2] صحیح بخاری صفحہ ۷۲ ج ۱۔ و طبقات صفحہ ۲۶ و اسد الغابہ صفحہ ۲۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۷ [3] اسد الغابہ صفحہ ۲۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۷ و در المنثور صفحہ ۲۵ [4] زرقانی صفحہ ۲۲۵ ج ۲۔ و طبقات صفحہ ۲۶ [5] اسد الغابہ صفحہ ۲۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۷ و در المنثور صفحہ ۲۵ [6] ایضاً اصابہ صفحہ ۱۲

حضرت لُبابۃ الکبریٰ

نام ان کا نام لبابۃ ہے، الکبریٰ لقب، اور اُم الفضل کنیت ہے، یہ اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور و معروف ہیں، ان کے والد کا نام حارث بن حزن الہلالی تھے، اور والدہ ہند (خولہ) بنت عوف قبیلہ کنانہ سے تھیں ۱؎۔

نکاح اُم الفضل (لبابۃ) کا نکاح حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ہوا۔ (جو کہ آنحضرتؐ کے عم محترم تھے)۔

اسلام اُم الفضل (لبابۃ) خواتین مکہ میں پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہ بنت خویلد (زوجہ نبی صلعم) کے بعد اسلام لائیں ۲؎۔

ہجرت حضرت عباس بن عبدالمطلب کے اسلام لانے کے بعد حضرت ام الفضل (لبابۃ) نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ۳؎۔

فضل و کمال حضرت ام الفضل (لبابۃ) نے آنحضرت صلعم سے تقریباً تیس ۳۰ احادیث روایت کی ہیں، جنکے اکثر راویوں کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، تمام، انس بن مالک، عبداللہ بن حارث، عُمیر، کُریب، قابوس ۴؎،

خاص خصوصیت آنحضرت صلعم کے قبل و بعد نبوت کسی خاتون کو شرف حاصل نہ تھا کہ آپ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھکر بال صاف کرتی کنگھی کرتی یا سُرمہ لگاتی اور نہ آنحضرت صلعم اُس کو پسند فرماتے لیکن یہ شرف و عزت خصوصیت سے اُم الفضل (لبابۃ) ہی کو حاصل تھا کہ سر مبارک اپنی گود میں رکھکر آپ کے بال صاف کرتیں۔ اور سُرمہ لگاتی تھیں ۵؎۔

عام حالات۔ رسول صلعم اُم الفضل کے گھر اُن کو دیکھنے اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ اور

۱؎ طبقات صفحہ ۲۰۳، و اسد الغابہ صفحہ ۵۳۹، ۲؎ استیعاب صفحہ ۷۷۹، ۳؎ طبقات صفحہ ۲۰۳، ۴؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۴۰ ۵؎ طبقات صفحہ ۲۰۳۔

اُنھی کے گھر دوپہر کے وقت تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے[۱]۔

اُم الفضل کی حقیقی، وعلاتی، اور اخیافی، کئی بہنیں تھیں اور یہ سب بہنیں خاندان قریش وہاشم کے معزز گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں چنانچہ ام الفضل کی حقیقی بہن حضرت میمونہ کو آنحضرت صلعم کے دائرہ ازدواج میں شامل ہونے کا شرف حاصل تھا، اور لبابۃ الکبریٰ (ام الفضل) حضرت عباسؓ کو، سلمیٰ حضرت حمزہؓ کو، اور اسما حضرت جعفر بن ابی طالب (جو حضرت علی علیہ السلام کے بھائی تھے)، منسوب تھیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب کے بعد اسمار کا عقد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے[۲]۔

اسی بناپر ام الفضل کی والدہ ہند بنت عوف کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سمدھیانے کے لحاظ سے بڑی خوش نصیب ہیں، اور سہین انکا کوئی نظیر نہیں ہے[۳]۔

آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ ام الفضل، حضرت میمونہ، سلمیٰ، اسمار یہ چاروں مومنہ بہنیں ہیں[۴]۔

حجۃ الوداع میں ام الفضل نے آنحضرت صلعم کی ہمرکابی میں حج بھی کیا تھا اس موقعہ پر عرفہ کے دن لوگوں کو آنحضرت صلعم کے صائم ہونے میں شک ہوا اور ام الفضل سے اپنا شک ظاہر کیا تو آپنے دودھ کا ایک پیالہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ آپنے دودھ پی لیا لوگوں کو تشفی ہو گئی اور انکا شبہ دور ہو گیا[۵]۔

اُم الفضل عابدہ، زاہدہ تھیں ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں[۶]۔ ایک دفعہ ام الفضل نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے اعضائے مبارک میں سے ایک عضو میرے گھر میں ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "انشاء اللہ خیراً"، فاطمہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اُس کو دودھ پلاؤ گی۔ اور تم اُس کی کفیل رہو گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ کے فرزند ارجمند امام حسین پیدا ہوئے۔ ام الفضل اُن کی کفیل رہیں۔ ایک روز

---

[۱] طبقات صفحہ ۲۰۲ و استیعاب صفحہ ۷۷۰ و اسد الغابہ صفحہ ۵۳۹، [۲] اصابہ صفحہ ۹۳۵، [۳] اصابہ صفحہ ۹۳۵ اسد الغابہ صفحہ ۵۳۹ و استیعاب صفحہ ۷۷۰، [۴] اصابہ صفحہ ۹۳۷، و استیعاب صفحہ ۷۷۰، [۵] اصابہ صفحہ ۹۳۶ و طبقات صفحہ ۲۰۲ و صحیح بخاری صفحہ ۲۳۸ ج ۱۔ [۶] طبقات صفحہ ۲۰۲ و خلاصۃ التہذیب صفحہ ۴۹۵،،۔

حسین علیہ السلام نے آنحضرت صلعم پر پیشاب کر دیا اُم الفضل نے اُن کو آپ کی گود سے لے لیا اور غصہ سے جھڑکا اور کہا تم نے آنحضرت صلعم پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے میرے بچے کو جھڑک کر مجھے تکلیف دی پھر پانی سے پیشاب دھویا۔[۱]

اولاد اُم الفضل بہ نسبت دیگر خواتین کے اولاد کی طرف سے بہت زیادہ خوش نصیب تھیں۔ اُن کی کُل اولاد نہایت قابل تھیں۔ ابو الفضل، عبد اللہ، عبید اللہ، معبد، قثم، عبد الرحمن، ام حبیبہ، یہ سب ام الفضل کی باقیات صالحات ہیں۔[۲]

عبد اللہ بن یزید الھلالی شاعر اُم الفضل کی خوش قسمتی پر فخر و ناز کرتا ہوا یہ شعر لکھتا ہے۔[۳]

ما ولدت نجیبۃ من فحل	نہیں جنی کوئی شریف زادی کسی شریف مرد سے مثل
کستۃ من بطن اُمّ الفضل	ان چھ بچوں کے جو اُم الفضل کے بطن سے ہیں۔
اکرم بھا من کھلۃ و کھل	کس قدر اچھی ادھیڑ عورت ہے اور وہ کسقدر اچھا ادھیڑ مرد ہے جو کہ
عمّ النبی المصطفیٰ ذی الفضل	نبی برگزیدہ صاحب فضل اور خاتم الانبیا اور
وخاتم الرُّسل وخیر الرسل	بہترین پیغمبر کے چچا ہیں۔

وفات اُم الفضل نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں داعی اجل کو لبیک کہا اُسوقت اُن کے شوہر حضرت عباسؓ زندہ تھے۔[۴]

۱؎ طبقات صفحہ ۲۰۴ ۲؎ اصابہ صفحہ ۹۳۰ ۳؎ طبقات صفحہ ۲۰۲ اور استیعاب صفحہ ۷۹۹ ۴؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۳۹ ۵؎ طبقات صفحہ ۲۰۳

حضرت فاطمہ رضؓ

نام فاطمہ نام ہے، ان کے والد قیس بن خالد الاکبر بن وہب تھے، اور والدہ اُمیمہ بنت ربیعہ ہیں قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ اور ان کے بھائی ضحاک تھے، فاطمہ اپنے بھائی سے دس سال بڑی تھیں[۱]۔

نکاح ابو عمرو حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا تھا[۲]۔

ہجرت ہجرت کے پہلے دور میں جبکہ عورتوں نے مکہ سے ہجرت کی اُس میں یہ بھی شامل تھیں[۳]۔

فضل و کمال یہ نہایت عقلمند، سمجھدار، ادیبہ، فاضلہ، صائب الرائے، ثاقب الفکر، ذی کمال خاتون تھیں[۴]۔ اکثر ثقہ راویوں نے اُن کے حوالہ سے چند احادیث کی روایت کی ہیں جنمیں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ شعبی۔ نخعی۔ ابو سلمہ، قاسم بن محمد، ابوبکر بن ابو الجہیم، سعید بن مسیب۔ عروہ، عبداللہ بن عبداللہ، اسود، سلیمان بن یسار، عبدالرحمن بن عاصم، تمیم[۵]۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضؓ سنہ ۲۳ ہجری میں شہید ہوئے تو مجلس شوریٰ انہی حضرت فاطمہ کے گھر منعقد ہوئی۔ چونکہ فاطمہ ایک عقیلہ، فہیمہ، ذی علم، صائب الرائے خاتون تھیں اسلئے ان سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا[۶]۔

عام حالات جبکہ حضرت علی علیہ السلام سنہ ۱۰ھ میں یمن کی طرف ایک لشکر لیکر جا رہے تھے اُن کی ہمرکابی میں حضرت فاطمہ کے شوہر ابو عمرو بھی تھے، سدھارتے وقت ابو عمرو نے اپنے وکیل نکاح عیاش بن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی فاطمہ کو آخری طلاق

۱؎ استیعاب صفحہ ۷۹۴، و اسد الغابہ صفحہ ۵۲۶، و در منثور صفحہ ۳۶۲، ۲؎ ایضاً و طبقات صفحہ ۲۰۰، ۳؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۲۶ استیعاب صفحہ ۷۹۴، و در منثور صفحہ ۳۶۲، ۴؎ ایضاً، ۵؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۲۶، استیعاب صفحہ ۷۹۴، ۶؎ ایضاً۔۔۔

(دو طلاق دے چکے تھے) کہلا بھیجی۔ اور بطور نفقہ پانچ صاع جو، پانچ صاع خرمے بھی بھیجے جب حضرت فاطمہ نے عیاش سے اپنے کھانے اور پینے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا تمہارے شوہر نے صرف یہ خرمے اور جَو دیئے ہیں اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو کچھ دیا گیا محض احسان و ہمدردی ہے ورنہ اب تمہارا کوئی حق ہمارے ذمہ نہیں ہے فاطمہ کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور اپنے کپڑے وغیرہ لیکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں خالد بن ولید وغیرہ بھی وہاں پہونچے فاطمہ نے یہ سب قصّہ آنحضرت صلعم سے بیان کیا آپ نے استفسار فرمایا کہ تم کو ابو عمرو نے کتنی مرتبہ طلاق دی۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ "تین بار" آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمہارا نان و نفقہ ابو عمرو پر واجب نہیں اب تم عدت کا زمانہ اُم شریک کے یہاں گذار دو لیکن اُم شریک کے اعزہ و اقارب کی آمد و رفت اُن کے مکان میں تھی اس لیئے آپ نے دوبارہ یہ حکم دیا کہ ابن مکتوم نابینا اور تمہارے ابن عم ہیں اسلیئے بہتر ہے کہ تم اُن کے یہاں رہ کر عدت کا زمانہ گذارو۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بتعمیل ارشاد آنحضرت صلعم اُن کے یہاں رہنے لگیں جب عدت کا زمانہ منقضی ہوا تو ہر طرف سے لوگوں کے پیغام عقد آنے لگے جس میں امیر معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم اور اُسامہ بن زید کا بھی پیغام تھا حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے ان پیغاموں کے بارے میں مشورہ کیا آپ نے فرمایا معاویہ فقیر و مفلس ہے۔ اُس کے پاس کچھ نہیں اور ابو جہم جھگڑالو اور سخت مزاج ہے، اُسامہ بن زید ان دونوں سے بہتر ہے چونکہ حضرت فاطمہ کا خیال تھا کہ آنحضرت صلعم اپنے شرف ازدواج سے سرفراز فرمائینگے اس لیئے اُنھوں نے اُسامہ بن زید سے عقد کرنے میں تامل کیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تمہیں کیوں عذر ہے، خدا اور رسول کی اطاعت کرو اسمیں تمہارے لیئے بھلائی ہے۔ یہ ارشاد مبارک سن کر اُسامہ بن زید سے نکاح کر لیا۔

حضرت فاطمہ کہتی ہیں کہ میں اس عقد کے بعد لوگوں کے نزدیک قابل رشک بن گئی۔[۱]

اخلاق اور حسن و جمال حضرت فاطمہ ایک نیک نہاد، حسین و جمیل خاتون تھیں۔ اور صرف حسن و جمال ظاہری ہی سے آراستہ نہ تھیں۔ بلکہ (سونے پر سہاگہ) یہ کہ نہایت شریفانہ عادات اخلاق و خصائل

---

[۱] طبقات صفحہ ۲۰۰ و صفحہ ۲۰۱ و صحیح مسلم صفحہ ۴۸۳ و صفحہ ۴۸۴ و صفحہ ۴۸۵ جلد ایک، مسند صفحہ ۴۱۲ تا صفحہ ۴۱۴ حصہ ۶۔

اور ستودہ صفات سے بھی مزین تھیں ایک دفعہ اُن کے شاگرد شعبی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت فاطمہ نے حسب عادت اور عرب کے تمدن و معاشرت و مراسم مروجہ کے مطابق اپنے شاگرد کی ضیافت خرمے اور ستو سے کی[1] یہ آپ کا اخلاق و اخلاص تھا۔

کوفہ میں اقامت جب حضرت فاطمہ کے شوہر حضرت اسامہ بن زید نے ۵۴ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا تو حضرت فاطمہ اس حادثہ جانکاہ سے بہت مغموم و محزون رہنے لگیں اور اس کے بعد پھر دوبارہ نکاح کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

عدت گذرنے کے بعد جب یزید نے اپنے زمانۂ امارت میں حضرت فاطمہ کے بھائی ضحاک کو عراق کی گورنری پر مامور کیا تو حضرت فاطمہ کوفہ چلی گئیں، اور اپنے عزیز بھائی کے پاس سکونت پذیر رہیں[2]

ایک واقعہ کی تائید قرآن پاک سے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو سعید بن زید کی صاحبزادی منسوب تھیں جب عبداللہ نے اُن کو تین طلاقیں دیدیں تو حضرت فاطمہ چونکہ اُن کی خالہ ہوتی تھیں اس لیے اُنھوں نے باقتضائے محبت اُنکے کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس آجاؤ۔

جب مروان کو اُن کی طلبی کی خبر ہوئی تو قبصیہ (کنیز) کو حضرت فاطمہ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ عدت کے قبل بلانے کا کیا سبب ہے، حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ میں شریعت کی متبع اور آنحضرت صلعم کے ارشادات کی تعمیل کرنے والی ہوں اس سے قبل میرے واقعہ پر آنحضرت صلعم نے جو حکم دیا تھا وہ یہی تھا اس کے بعد آپنے اپنے واقعہ سے مطلع کیا اور اسکی تائید ان آیات شریفہ سے کی۔ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

جب تم (اپنی) بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت کے شروع میں طلاق دو (اور طلاق کے بعد ہی سے) عدت شمار کرتے رکھو۔ اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو (عدت میں) اُن کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہ کہ کھلم کھلا (کوئی) بے حیائی (کا کام) کر بیٹھیں تو اُن کا نکالدینا کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ مراجعت کی صورت تھی۔ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۴۸۳ جلد ۱۔ درمنثور صفحہ ۲۳۶ جلد ۶ استیعاب صفحہ ۷۷۶ و اصابہ صفحہ ۳۸۱ جلد ۸ [2] اسدالغابہ صفحہ ۵۲۶ جلد ۵ ۔ [illegible] پارہ ۲۸

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1] پھر جب عورتین اپنی عدت پوری کرنے پر آئین تو دیا تو رجوع کرکے) سیدھی طرح اُن کو (اپنی زوجیت مین) رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کردو۔

اس بنا پر تین طلاق کے بعد کسی بات کا احتمال و شبہ نہین ہے اور دوسرے تمہارا ذاتی خیال بھی یہ ہی کہ عورت تاوقتیکہ حاملہ نہ ہو اُس کو نان نفقہ نہین دینا چاہیئے۔ لہذا اب تم کو اُس کے روکنے کی بھی کوئی وجہ نہین رہتی ہے۔

شریعت اسلامی مین طلاق اگرچہ بہت ہی ناپسندیدہ بات ہی لیکن اگر مرد کو مطلقاً اُس کا اختیار نہ دیا جائے تو بعض صورتون مین بڑے بڑے فسادات کا احتمال ہی جیسا کہ دوسری قومون مین دیکھا جاتا ہے اُن کے مذہب مین طلاق نہین مگر مجبوری اُن کو اسلامی قاعدے کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہی، اسلام نے طلاق جائز رکھی ہے مگر اس مین بڑی احتیاط کی ہی کہ حتی الامکان طلاق کی نوبت نہ آئے۔ اور اگر آئے تو زن و شو مین کسی کی حق تلفی نہ ہو، اوّلاً حیض کے دنون مین طلاق کا دینا منع ہے،[2] اس مین مصلحت یہ ہی کہ ان ایام مین میان بیوی چار و ناچار ایک دوسرے سے الگ رہتے ہین۔ تعجب نہین کہ یہ علیحدگی طلاق کی محرک ہو اب جس کو طلاق دینا ہو تو ایسی حالت مین کہ عورت غسل سے فارغ ہو جائے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ داعیۂ طلاق قوی ہے۔ پھر طلاق کے بعد عدت ہی اس مین ایک تو نسب کی احتیاط ہی کہ عدت کی مدت مین متواتر تین بار عورت کو دن آجائین گے تو اچھی طرح اطمینان ہو جائیگا کہ حمل سے نہین ہے۔

اگر عورت حمل سے ہو تو اُس کی عدت وضع حمل تک ہی عدت مین مرد و عورت کو اچھا موقع دیا گیا ہی کہ ملاپ کر لین اور مرد اپنی طلاق کو واپس لے جس کو اصطلاح شرع مین رجعت کہتے ہین پھر طلاق مین اُسکا بھی لحاظ ہی کہ بے فائدہ اور بلا ضرورت عورت کا وقت عدت مین ضائع نہ ہو اور اُس کو جلدی عدت پوری کرنے کا موقع دیا جائے اسلئے شروع سورت مین حکم دیا گیا ہی کہ جب عورت غسل کر چکے اُسوقت اسکو طلاق دیجائے عورت کے

[1] سورۂ طلاق پارہ ۲۸ - [2] صحیح مسلم صفحہ ۴۷۴ ج ۱ - مسند شریف صفحہ ۱۵۱ و ۱۶۱ ج ۶ -

حاملہ ہونے کی صورت میں بچے کے دودھ پلانے کا موقع ہے جو اُس کے واسطے شارع نے نہایت عمدہ انتظام کر دیا ہے اور یہ سب احکام اُن آیتوں میں صراحت کیساتھ مذکور ہیں۔

اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر ہی کے گھر میں گذاریں اس حکم کے مخالف صرف فاطمہ بنت قیس کی شہادت ہے کہ اُن کے شوہر نے اُن کو طلاق دی اور آنحضرت صلعم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا رہیں، فاطمہ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازت انتقال مکان پر استدلال کرتی تھیں (جیسا کہ اپنی بھانجی بنت سعید بن زید کے لیے کیا) حضرت عائشہ صدیقہ کے زمانے میں اس واقعہ کی سند سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے گھر سے بلوا لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے اس عام حکم اسلامی کے مخالفت پر سخت اعتراض کیا مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا اُس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو اور نفس مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ فاطمہ کا واقعہ یہ تھا کہ فاطمہ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا غیر محفوظ اور خوفناک مقام تھا اس لیے آنحضرت صلعم نے اُن کو اجازت دی کہ تم دوسری جگہ عدت کا زمانہ گذار دو۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی اس روایت سے فاطمہ کا استدلال انتقال مکان پر ایک ضعیف استدلال معلوم ہوتا ہے کیونکہ واقعہ کی نوعیت اور آنحضرت صلعم کا ارشاد مصلحتی اس امر پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ ایک عام حکم شرعی سمجھا جائے، لیکن وہ ایک مخصوص حکم تھا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی روایت سے ظاہر ہوا۔

وفات کتب سیر میں حضرت فاطمہ کے سنہ وفات کا پتہ نہیں چلتا لیکن حضرت زبیر رضہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہیں۔

لہ صحیح بخاری باب قصہ فاطمہ بنت قیس۔ سے صحیح مسلم صفحہ ۴۸۵ ج ۱۔

حضرت خنسار

نام اصلی نام تماضر ہے لیکن حسینی، وچالاکی، اور حُسنِ جمال کی وجہ سے خنسار (جس کے معنی ہرنی کے ہیں) کے لقب سے یاد کیجاتی ہیں بہ نسبت نام کے اُن کا لقب زیادہ مشہور ہے نجد کی رہنے والی تھیں، اُن کے والد کا نام عمرو بن الشرید بن رباح ہے جو قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے تھے[1]۔

نکاح اُن کا پہلا عقد رواحہ بن عبد العزیز السلمی سے ہوا اُسکے انتقال کے بعد دوسرا عقد مرداس بن ابو عامر سے ہوا[2]۔

اسلام جب اُفق مکہ سے آفتاب رسالت طلوع ہوا اور اُس کی شعاعیں ایک عالم پر پرتو فگن ہوئیں تو حضرت خنسار کی آنکھیں اُس صداقت پاش نورانیت سے جھپک گئیں، اور وہ اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ مدینہ میں جناب سرورِ عالم کی بارگاہ نبوت میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہوئیں[3]۔

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اُن کے اشعار سنتے رہے اور اُن کی فصاحت وبلاغت پر تعجب فرماتے رہے[4]۔

صبر و استقلال اور بیٹوں کو شرکت جنگ کیلئے ترغیب حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت سنہ ۱۶ھ میں جب قادسیہ کی جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں نے بڑی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اُس میں حضرت خنسار اپنے بیٹوں کے جنگ میں موجود تھیں۔ رات کے وقت بیٹوں کو جنگ میں شرکت کے لیے جو مؤثر تقریر کی تھی وہ یہ ہے[5]،،

ل اسد الغابہ صفحہ ۴۴۴ و استیعاب صفحہ [illegible] و اصابہ صفحہ ۴۹۹، ۵۰۰ و المستقصیٰ صفحہ ۱۱۰ طبقات الشعراء صفحہ ۱۹۷

ک اسد الغابہ صفحہ ۴۴۲ و اصابہ صفحہ ۵۰۰ و استیعاب صفحہ [illegible] ل الیضاً ه اسد الغابہ صفحہ ۴۴۲ و استیعاب صفحہ ۷۴۵، ۷۴۶ و المستقصیٰ صفحہ ۱۱۰ و اصابہ صفحہ ۴۹۹، ۵۰۰

اے میرے پیارے بیٹو!

تم اپنی خوشی سے اسلام لائے، اور اپنی رضامندی سے تم نے ہجرت کی، اور قسم ہے اُس خدائے لایزال کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہین، جس طرح تم اپنی مان کے شکم سے پیدا ہوئے اسی طرح تم اپنے باپ کے سچے فرزند ہو، اور نہ مین نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے مامون کو رسوا و ذلیل کیا، تمہارا نسب بے داغ ہے اور تمہارے حسب مین کوئی نقص نہین ہے۔

تم جانتے ہو مسلمانون کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار سے جہاد کرنے مین کس قدر ثواب عظیم ہے۔ اور تم اس کو خوب غور سے سمجھ لو کہ عالم جاودانی کے مقابلہ مین دنیائے فانی ہیچ ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"[لہ] "مسلمانو! (ان تکلیفون کو جو خدا کی راہ مین تم کو پیش آئین۔) برداشت کرو، اور ایک دوسرے کو صبر کی تعلیم دو، اور آپس مین مل جل کر رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (آخر کار تم اپنی) مراد کو پہونچو"، جب تم دیکھ لو کہ لڑائی جوش پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے اور اُس کے شرارے میدان جنگ مین منتشر ہونے لگے تو لڑائی مین گھس جاؤ اور خوب لڑو اور خدائے لایزال سے نصرت و فتح کے امید وار رہو انشاءاللہ عالم آخرت کی بزرگی و فضیلت پر کامیاب ہو جاؤ گے"۔

جب صبح ہوئی تو یہ نونہالانِ اسلام، و فدایانِ ملت، اپنی مان کی نصیحت پر کاربند رہ کر رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ مین کود پڑے اور اپنی دلیری و شجاعت سے نہ صرف نقش صفحاتِ تاریخ مین ثبت کر گئے، بلکہ لوگون کے دلون پر اسکا سکہ بٹھا دیا۔ جہانتک ہو سکا راہ خدا مین لڑے آخر مین شہید ہو گئے[ٹلہ]۔ "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" ایسے ہی فدایانِ ملت کے لئے مخصوص ہے۔

لہ آل عمران پارہ ۴ - ٹلہ اسد الغابہ صفحہ ۳۲۳، واستیعاب صفحہ ۷۴۵، وصفحہ ۷۴۶، و در منثور صفحہ ۱۱۱ واصابہ صفحہ ۵۵۱ وصفحہ ۵۵۵"۔

جب خنساء کو یہ خبر وحشت اثر پہونچی تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالی نے ان لوگون کی شہادت کا شرف مجھے بخشا، خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ مین ان بچّون سے اللہ تعالے کے سایۂ رحمت مین ملون گی۔[۱]

حضرت عمر رضؓ اُن کے بیٹون کو فی کس دو سَو درہم سالانہ وظیفہ دیتے تھے وہ اُن لوگون کی شہادت کے بعد خنساء کے نام برابر جاری رکھا۔[۲]

عام حالات | حضرت خنساء کی شاعری کا حال ابتدا مین اِس سے زیادہ نہ تھا کہ وہ کبھی کبھی دو تین شعر کہا کرتی تھین۔[۳]

لیکن جب قبیلہ بنی اسد سے اُن کے قبیلہ کی لڑائی ہوئی اُس مین اُن کا حقیقی بھائی معاویہ مقتول ہوا اور دوسرا سوتیلا بھائی صخر، ابو ثور الاسدی کے نیزہ سے زخمی ہوا تو حضرت خنساء نے تقریبًا ایک سال تک صخر کی بڑی محنت وجانفشانی سے تیمارداری کی لیکن زخم کاری لگا تھا جانبر نہ ہو سکا اور اپنی چہیتی بہن کو دائمی مفارقت کا داغ دے کر سفر آخرت اختیار کیا۔[۴]

خنساء کو اپنے دونون بھائیون سے بہت محبّت تھی لیکن صخر کے حلم، بُردباری، سخاوت، شجاعت، عقلمندی، حسن، کی وجہ سے اُن سے زیادہ مانوس اور گرویدہ تھین۔[۵] اسی وجہ سے خنساء کو صخر کے انتقال سے سخت صدمہ پہونچا۔ اُسی وقت سے اپنے بھائی پر بے نظیر مرثیے لکھنے شروع کیے۔[۶]

مرثیون مین شدتِ غم وکثرتِ آلام کا اظہار ایسے دلسوز وجانگداز الفاظ مین کرتین کہ لوگ بیتاب ہو جاتے۔ اور پڑھتے پڑھتے اشکباری کرنے لگتے۔ مرثیہ کے چند شعر درج کیے جاتے ہین جن سے اُن کی فصاحت وبلاغت اور جودتِ طبع کی آزمائش ہو سکتی ہے۔

اعینی جودا ولا تجمدا	اے میری دونون آنکھون سخاوت اختیار کرو اور بخیل نہ بنجاؤ۔
الا تبکیان لصخر الندی	کیا تم دونون صخر صاحب سخا پر نہین روتی ہو۔

---

[۱] اسد الغابہ صفحہ ۴۹۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۶ و اصابہ صفحہ ۵۵۲ [۲] ایضاً [۳] اسد الغابہ صفحہ ۴۹۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۵ و اصابہ صفحہ ۵۵

[۴] ایضاً [۵] ایضاً و در المنثور صفحہ ۱۱ [۶] ایضاً

الا تبکیان الجرئ الجمیل
الا تبکیان الفتی السیدا
طویل النجاد عظیم الرماد
وساد عشیرته امردا
اذا القوم مدوا بایدیهم
الی المجد مد الیه یدا
فنال الذی فوق ایدیهم
الی المجد ثم مضی مصعدا
تری المجد یهوی الی بیته
یری افضل المجد ان یحمدا
وان ذکر المجد الفیته
تازر بالمجد ثم ارتدی [۱]

کیا تم ایسے شخص پر جو نہایت دلیر اور خوبصورت تھا نہیں روتی ہو کیا تم نہیں روتی ہو ایسے شخص پر جو جوان سردار تھا جسکا پرتلہ نہایت دراز تھا اور بلند مکان والا تھا (اور حال یہ ہی) کہ وہ اپنے قبیلہ کا سردار ایسی حالت میں ہو گیا کہ نوعمر بچہ بے داڑھی مونچھ کا تھا جب قوم نے بلند مراتب کے حصول میں کوشش کی تو اُسنے بھی اپنے ہاتھ حصول مراتب کیلئے دراز کیئے پس وہ اس عزت کو پہونچ گیا جو اُن لوگوں کے ہاتھوں سے بھی اونچی تھی پھر وہ سعادتمندی کی حالت میں گذر گیا بزرگی کو تو دیکھتا ہی کہ وہ اُسکے گھر کا رستہ بتلاتی ہی افضل مجد خیال کرتا ہی کہ وہ اسکی تعریف کرے، اور اگر شرافت اور عزت کا ذکر کیا جائے تو اُسکو ایسی حالت میں پائیگا کہ اُسنے عزت کی چادر اُوڑھلی (مخصوص کرلی) ہی اور تہ بند باندھ لیا ہی (یعنی اگر عزت و شرافت کا تذکرہ کیا جائے تو بھی وہ سب سے افضل و اشرف رہیگا)۔

زنانِ عرب کی عادت کے موافق خنساء اپنے مقتول بھائی کی قبر پر صبح و شام جاکر بیٹھتیں اور اُس کو یاد کرکے روتیں اور مرثیئے پڑھا کرتیں۔

یُذَکِّرُنِی طُلُوعُ الشَّمْسِ صَخْرًا
وَاَذْکُرُہٗ بِکُلِّ غُرُوبِ شَمْسٍ
ولولا کثرۃ الباکین حولی
علی اموانهم لقتلت نفسی [۲]

طلوع شمس مجھکو صخر کی یاد دلاتا ہی (یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہی تو صخر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے) اور میں ہر روز غروب آفتاب کے وقت اُسکو یاد کرتی ہوں اگر رونیوالوں کی کثرت اپنے مردوں پر میرے اردگرد نہ ہوتی تو بالضرور میں اپنی جان ہلاک کرلیتی۔

اور دوسری جگہ فرماتی ہیں۔

الا یا صخر ان ابکیت عینی

اے صخر اگر تونے میری آنکھوں کو رلایا ہی تو کیا ہوا

[۱] در منثور صفحہ ۱۱۱ [۲] در منثور صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۱۱۱۔

فقد اضحكتني زمنا طويلا	اسلیے کہ تو نے ایک مدت دراز تک ہنسایا بھی ہے
بكيتك في نساء معولات	مین روتی ہون تجھ پر اُن عورتون کے زمرہ مین جو چیخ چلا کر
وكنت احق من ابدى العويلا	رونیوالی ہین اور اُنمین اُن سے زیادہ مستحق ہون جو چیخ پکار
دفعت بك الخطوب وانت حيٌّ	کو ظاہر کر رہی ہین مین نے تیری بدولت بہت حوادث کو دفع
فمن ذا يدفع الخطب الجليلا	کیا اسوقت جبکہ تو زندہ تھا لیکن اب کون ہے کہ
اذا قبح البكاء على قتيل	میرے اس بڑے حوادث کو دفع کرے گا۔
رأيت بكاءك الحسن الجميلا	جب کسی مقتول پر رونا برا معلوم ہو تو مین تیرے رونے کو
وانّ صخرا لتأتم الهداة به	بہت اچھا خیال کرتی ہون بڑے بڑے لوگ صخر کی عزت وقدر
كانه علم في رأسه نار[له]	کرتے ہین گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے جسکی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

انھی مرثیون کی بدولت تمام عرب مین خنساء کی شہرت ہوئی اور جو شاعرات شعر و سخن مین یگانہ تصور کی گئی ہین اُن مین خنساء کا درجہ سب سے اول ہے۔

خنساء اکثر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی خدمت مین بھی حاضر ہوا کرتی تھین، اُن کے سرپالون کا ایک سربند بندھا ہوا تھا جو عرب مین شدت غم والم کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا وہ ایسا سربند اسلام مین منع ہے، خنساء نے کہا یہ تو مجھے نہین معلوم تھا کہ منع ہے یا نہین لیکن اس سربند کو جو مین استعمال کرتی ہون اس کا ایک خاص سبب ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے استفسار فرمایا وہ کیا سبب ہے، کہا میرے باپ نے جس شخص کے ساتھ میری شادی کی تھی وہ بہت مسرف تھا اُس نے میرا اور اپنا تمام مال قماربازی مین صرف کر ڈالا جب مین محتاج و نادار ہو گئی تو میرے بھائی صخر نے اپنے مال کے دو حصے کیے اُن مین سے جو اچھا تھا وہ مجھے دیا میرے شوہر نے پھر تھوڑے ہی دن مین اُس کو بھی تلف کر دیا، میرے بھائی صخر نے میری مفلسی و تنگدستی کو دیکھکر افسوس کیا اور اُسنے پھر اپنے مال کے دو حصے کیے جو عمدہ حصہ تھا وہ منتخب کر کے مجھے دیا اُس کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اول خنساء کو اپنا مال نصیب ہوا اور وہ بھی منتخب کر کے یہ آخر کب تک ایسا ہوتا رہیگا۔ اور اُس کے

له در منثور صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۱۱۱ ءء

شوہر کا یہ حال ہے کہ برابر تمام مال قمار بازی مین خرچ کرتا جاتا ہے۔ صخر نے اس کے جواب مین شعر پڑھکر سنایا۔

والله لا امنحها شرارها
وھی التی اخص علی عارھا
ولو ھلکت خرقت خمارھا
واتخذت من شعر صدارھا

"قسم ہے خدا کی مین اسکو بدترین مال نہین دونگا اور وہ عفیفہ ہے میرے لیے اُسکا عار کافی ہے (یعنی مین اسکے لیے عار و ننگ کا لحاظ کرون میرے لیے کافی ہے) اگر مین مرجاؤنگا تو وہ اپنی اوڑھنی میرے رنج مین پھاڑ ڈالیگی (اور میرے مرنیکے بعد) وہ بالونکا سربند (بجاۓ اوڑھنی کے) سر پر باندھیگی"

کیونکہ وہ میری موت کے بعد مجھے یاد کرے گی۔ چنانچہ مین نے اُس کی یادگار مین یہ سربند باندھا ہے[1]۔

شاعرانہ فضیلت

حقیقتاً اقسام شعر و سخن مین بالخصوص مرثیہ گوئی مین خنسا اپنا جواب نہین رکھتین۔ مورخین لکھتے ہین "واجمع اهل العلم بالشعر انه لم تکن امرأة قبلها ولا بعدها اشعر منها[2]"۔ خنسا کو جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ تمام علماے عرب کا اتفاق ہے کہ کوئی عورت عرب مین خنسا کے برابر نہ ان سے پہلے نہ بعد شاعرہ ہوئی۔[3]

دوسری روایت مین مذکور ہے "وقیل لجریر من اشعر الناس قال انا لولا الخنساء"

جریر شاعر (متوفی ۱۱۰ھ جو زمانہ خلافت بنی امیہ مین ایک بڑا شاعر تھا) سے لوگون نے پوچھا آدمیون مین سب سے بڑا شاعر کون ہے۔ جریر نے کہا اگر خنسا کے اشعار نہ ہوتے تو مین دعوی کرتا کہ عرب مین سب سے بہترین شاعر مین ہون۔"

بشار شاعر (متوفی ۱۶۷ھ جو عرب کا بہت بڑا شاعر تھا) اُس نے کہا کہ جب مین عورتون کے اشعار غور سے دیکھتا ہون تو اُن مین ایک ایک نقص یا کمزوری ضرور پاتا ہون لوگون نے پوچھا کہ کیا خنسا کے اشعار کا بھی یہی حال ہے اُس نے کہا کہ وہ تو مردون سے بھی بڑھکر ہے[4]۔

تمام شعراے عرب نے شاعر عورتون کا سرتاج لیلة اخیلیہ کو تسلیم کیا لیکن جب خنسا کے

---

[1] اصابہ صفحہ ۵۵۲ و در المنثور صفحہ ۱۱۱۔ [2] اسد الغابہ صفحہ ۴۴۱؛ و استیعاب صفحہ ۷۵۵، و اصابہ صفحہ ۱۵۵ و در المنثور صفحہ ۱۱۱۔ [3] در المنثور صفحہ ۱۱۱۔ [4] در المنثور صفحہ ۱۱۱۔

اشعار کا یہ حال دیکھا تو یہ اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ کر دی گئیں[1]۔

زمانۂ جاہلیت میں عام دستور تھا کہ تمام اہل عرب مختلف مقامات پر مجلس منعقد کیا کرتے تھے ایسی مجلسوں کو بجائے مجلس کے میلہ کہنا چاہیے کیونکہ بیع و شری کا بھی بازار گرم رہتا تھا اگرچہ اُن لوگوں کا مقصود حقیقی تبادلۂ خیالات اور شعر گوئی، اور خانگی معاملات، و ملکی امور کا طے کرنا ہوتا تھا ان میں مرد و عورت سب یکساں حصّہ لیتے تھے۔ اس کی ابتدا ربیع الاول یعنی ابتدائے موسم بہار سے ہوا کرتی تھی۔ تمام اہل عرب دور دور سے اپنے کاروبار ترک کر کے ان میلوں میں شریک ہونے آتے تھے، غرہ ربیع الاول میں پہلا میلہ دومۃ الجندل میں منعقد ہوتا تھا اُسکے بعد ہجر کے بازار میں پھر حضر موت کو روانہ ہوتے تھے۔ اسی طرح صنعا یمن میں۔ کسی مقام پر دس روز کسی میں بیس روز قیام رہتا تھا غرضکہ اسی طرح تمام ملک میں گشت لگانے کے بعد ذیقعدہ کے مہینے میں حج کے قریب آخری میلہ عکاظ میں لگتا تھا۔ جو مکّہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔ عرب کے تمام قبائل اور بالخصوص سرداران قبائل لازمی طور سے شریک ہوتے تھے۔ اگر کوئی سردار کسی خاص وجہ سے شریک نہ ہو سکتا تو اپنا قائم مقام ضرور بھیجتا تھا۔ اسی مقام پر اہل عرب کے تمام امور سرانجام پاتے تھے۔ سردار مقرر کیے جاتے قبیلوں کی مخالفت، خانہ جنگیوں کا انسداد، و اصلاح کی جاتی تھی باہمی خونریزی اور لڑائیوں کا فیصلہ ہوتا تھا، اس بازار میں اہل قریش کا وقار و احترام زیادہ تھا ایک قسم کا سرداری اقتدار ان کو حاصل تھا۔ جب تمام معاملات و قضیات کا تصفیہ ہو جاتا تو ہر قبیلہ کے شعرا اپنے اشعار سناتے جس میں اپنی بہادری، اپنے قبیلہ کی خوبیاں، فیاضی احسانات، ہمدردی، دلیری، شجاعت، مہمان نوازی، آبا و اجداد کے اہم کارنامے، صید و شکار، خونریزی، عشق و محبت کے افسانوں کا ایک سچا فوٹو کھینچتے تھے۔ یہاں ہر شاعر اور مقرر کا درجہ و مرتبہ متعین کیا جاتا تھا۔ یہ بازار اہل عرب کی لیاقت و قابلیت کا ٹکسال تھا، جو جس قابل ہوتا اسی قابل تسلیم کیا جاتا اور تمام عرب میں اُس کی شہرت ہو جاتی۔

[1] طبقات الشعراء صفحہ ۲۷۔

خنسا بھی اس مجلس مین شریک ہوتی تھین۔ اُن کے مرثیئے بھی یہان لاجواب تسلیم کرلئے گئے تھے۔ اور جب وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آتین تو تمام شعرا اُن کے گرد حلقہ باندھ لیتے اور منتظر رہتے۔ کہ اُن سے اشعار سنین پھر وہ اپنے مرثیئے سناتین۔

خنسا کو اس مجلس شعرا مین یہ امتیاز حاصل تھا کہ اُن کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ "ارثی العرب" یعنی عرب مین سب سے بڑھکر مرثیہ گو"۔

زمانہ جاہلیت مین اچھے اچھے شعرا گذرے ہین لیکن نابغہ ذبیانی جو عرب کا مشہور و ممتاز شاعر تھا جس نے ۶۰۴ مسیحی مین انتقال کیا وہ اپنی سخنوری کے سبب شہرہ آفاق ہے اُس کا نام زیاد بن معاویہ ہے اور کنیت ابو امامہ۔ اسکے بارے مین ابو عبیدہ لکھتا ہے "وھو من الطبقة الاولیٰ المقدمین علیٰ سائر الشعراء"۔ کثرت شعر گوئی کی وجہ سے اُس کا لقب نابغہ ذبیانی پڑ گیا۔ شعر و سخن مین یہ مانا ہوا اُستاد تھا۔ سوق عکاظ مین اسکے واسطے سرخ خیمہ نصب کیا جاتا تھا، دوسرا شخص سرخ خیمہ نہین نصب کر سکتا تھا کیونکہ یہ وہ عزت تھی جو صرف اُسی شخص کا حق ہوتا تھا جو شاعری مین مسلم الثبوت استاد مان لیا جائے۔ اسکے اشعار نہایت دقیق، اور عجیب طرح کی سنجیدگی اُن مین پائی جاتی ہے اخلاق کی اصلاح و درستی کو یہ لازم جانتا اور خوف خدا مین زندگی تمام کرنا افضل سمجھتا تھا۔ یہ بڑا فیاض صادق القول تھا۔ اسکے قصائد مدحیہ مین حسیتی۔ خوش طبعی، رنگینی، صداقت بیانی، فصاحت و بلاغت، کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اسی بازار عکاظ مین نابغہ کے سامنے تمام شعرا اپنے اپنے اشعار سنا کر خراج تحسین حاصل کرتے تھے۔

جب خنسا شریک مجلس ہوئین اور اپنے اشعار سنائے تو نابغہ نے بہت تعریف کی اور خنسا کو بہترین شاعرہ تسلیم کرنے کے لیئے یہ الفاظ کہے، "فانت اشعر من کانت ذات ثدیین ولولا ھذا الاعمیٰ انشدنی قبلک یعنی الاعشیٰ لفضلتک علیٰ شعراء ھذا الموسم فانک اشعر الانس والجن

حقیقتاً تو عورتون مین بڑی شاعرہ ہے اگر مین اس سے قبل اعشیٰ کے اشعار نہ سن لیتا تو تجھکو اس زمانہ کے شعراء پر البتہ فضیلت دیتا پھر بھی تو انس و جن مین بہت بڑی شاعرہ ہے۔

شعر پر ادبی تنقید

دنیا مین بہت سے شاعر گذرے اور اُن لوگون نے نمود و شہرت بھی حاصل کی مگر شعرا مین جو فضیلت و عظمت جناب حسّان بن ثابت (متوفی سنہ ۵۴ھ مطابق سنہ ۶۷۵ع کو ملی ہے وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ اور نہ ہو سکتی ہے ' اُنکا شمار صحابہ اور شعرائے عرب مین ہے۔ جو صحبت رسالتمآب سے شرف یاب ہوے مگر وہ رتبہ جو جناب حسّان کو سید او فیاض سے عطا ہوا۔ اُنھی پر ختم ہو گیا۔

جناب حسّان مداح رسول دو جہان، اور دربار نبوت کے شاعر تھے۔ آپ کی عمر کے اُنسٹھ سال ضلالت و تاریکی کفر مین گذرے، لیکن ساٹھ سال کی عمر مین مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسلام لانے کے بعد اپنی قوت شعر گوئی کو اسلام اور مسلمانون کی خدمت مین صرف کرتے رہے، اُن کے قصائد مین اکثر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح اور اسلام کی تعریف اور کفار کی ہجو، اور غزوات نبوی کا بیان ہے، کلام اُن کا بہت سادہ اور صحیح، اور بندش سہل اور صاف ہے ایک سو بیس سال کی عمر مین وفات پائی۔

نابغہ نے خنساء کے بارہ مین جو فیصلہ کیا اُس سے آپ بہت ناراض ہوئے اور نابغہ سے کہا تم نے بالکل غلط فیصلہ کیا خنساء سے بہتر میرے شعر ہین۔ نابغہ نے خنساء کی طرف اشارہ کیا تو خنساء نے جناب حسّان سے کہا آپ کے جو اشعار بہتر ہون وہ سُنائیے جناب حسّان نے اپنا یہ شعر سنایا۔

لنا[ع] الجفنات[۱] الغر[۲] یلمعن[۳] فی الضحیٰ[۴] ؂
واسیافنا[۵] یقطرن[۶] من نجدة دما[۷] ؂

خنساء نے شعر سنکر برجستہ یہ سات سقم نکالے۔

(۱) جفنات جمع قلت ہے بجائے اسکے جفان کہا جاتا تو مفہوم مین وسعت پیدا ہو جاتی،

ع ہماری روشن چمکدار لگنین چاشت کے وقت مین چمکتی ہین اور ہماری تلوارین بلندی سے قطرہ قطرہ خون کو ٹپکاتی ہین ؎

(۲) غرّاء - پیشانی کی صباحت کو کہتے ہین اسکے مقابلہ مین بیض زیادہ وسیع المعنی ہو -
(۳) یلمعن - ایک عارضی چمک کو کہتے ہین بجائے اسکے یشرقن کہا جاتا تو بہتر تھا، کیونکہ اشراق لمعان سے زیادہ پائدار ہے -
(۴) ضحیٰ - کے بجائے دجیٰ کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ روشنی سیاہی مین زیادہ قابل وقعت ہوتی ہے -
(۵) اسیاف - جمع قلت ہے سیوف کا استعمال انسب تھا -
(۶) یقطرن - کے بجائے یسیلن سے معنی زیادہ وسیع ہو جاتے ہین کیونکہ خون کا سیلان قطرہ قطرہ ہو کر ٹپکنے سے زیادہ موثر ہو -
(۷) دم - کے مقابلہ مین دماءٔ بہتر تھا کیونکہ یہ جمع ہی اور وہ واحد ہے -
جناب حسّان یہ سنکر خاموش ہو رہے اور ان اعتراضات کا جواب نہ بن پڑا[۱] - اس مناظرہ یا تنقید شعر سے یہ مقصد نہ تھا کہ حضرت حسّان کی وقعت و عزت، عظمت مین کسی قسم کی کوئی کمی پیدا ہو - لیکن اس وقت اور اس موقع پر ایک خاتون کے جذبات سلیمہ جودت طبع و ذہانت کا امتحان، مطمح نظر تھا -
الغرض شاعری کے لحاظ سے خنسا کا مرتبہ طبقہ دوم کے شعرائے عرب مین سب سے بلند ہے اُن کا دیوان بہت ضخیم ہے جو ۱۸۸۸ء مین بیروت مین طبع ہوا اسی دیوان مین خنساء کے ساتھ ساٹھ عورتون کے اور بھی مرثئے شامل ہین جو ۱۸۸۹ء مین اُسکا فرنچ زبان مین ترجمہ ہو کر دوبارہ طبع ہوا - اُن کا دیوان ادیبون اور شاعرون مین بہت مقبول ہے اور وہ قدیم شاعری کا ایک بیش بہا ہیرا سمجھا جاتا ہے -
اولاد خنساء کے بطن سے شوہر اول سے صرف ایک لڑکا عبد اللہ پیدا ہوا اور دوسرے شوہر سے دو لڑکے - یزید - معاویہ - اور ایک لڑکی عمرہ پیدا ہوئی[۲] -
وفات جنگ قادسیہ کے کم و بیش سات سال بعد ۲۴ھ ہجری مین راہگرائے فردوس

---

[۱] ماخوذ از درالمنثور، [۲] درالمنثور صفحہ ۱۱۳ -

برین ہوئین -

اور بعض کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت مین ایک جنگل و بیابان مین اُنھون نے انتقال کیا[1] -

---

حضرت اسمار

نام اسمار نام ہے، قبیلہ ختعم سے تھین، ان کے والد کا نام عمیس بن معد بن تمیم بن حارث تھا- اور والدہ ہند (خولتہ) بنت عوف قبیلہ کنانہ سے تھین[2] -

نکاح جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا[3] -

اسلام مکہ مین آنحضرت صلعم کے خانہ ارقم مین مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئین، اور نبی صلعم سے شرف بعیت حاصل کیا[4] - کم و بیش یہی زمانہ ان کے شوہر جعفر بن ابی طالب کے اسلام کا ہے[5] -

ہجرت حضرت اسمائ نے اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کی وہان ان کے تین لڑکے محمد، عبد اللہ، عون، پیدا ہوئے[6] -

عام حالات حبش مین چند سال قیام کرنے کے بعد ۷ھ ہجری مین جبکہ خیبر فتح ہوا مدینہ آئین پھر حضرت حفصہ سے ملنے گئین اتنے مین حضرت عمر رض بھی آگئے، دریافت کیا یہ کون ہین - جواب ملا - اسمار حضرت عمر رض نے کہا ہان وہ حبش والی اور سمندر والی حضرت اسمار نے کہا جی ہان وہی - حضرت عمر رض نے حضرت اسما سے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے اسلئے کہ ہم مہاجرین

---

[1] درمنثور صفحہ ۱۱۴ [2] اسد الغابہ صفحہ ۲۹۵، [3] طبقات صفحہ ۲۰۵ و استیعاب صفحہ ۷۲۵، [4] طبقات صفحہ ۲۰۵ جز ۸ -

[5] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۳۶ [6] طبقات صفحہ ۲۰۵ و استیعاب صفحہ ۷۲۵ -

حضرت اسمار کو یہ فقرہ سنکر بہت غصہ آیا۔ اور کہا جی ہان آپ سچ فرماتے ہین اور حال یہ ہی کہ آپ آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے آپ بھوکون کو کھانا کھلاتے، اور جاہلون کو تعلیم دیتے تھے اور ہم کس مپرسی کی حالت مین دور و دراز مقامون مین خدا اور رسول کی رضا جوئی کے لیے پڑے رہے اور سخت سے سخت مصائب کا مقابلہ صبر و استقلال کے ساتھ کرتے رہے۔

پھر اس عرصہ مین آنحضرت صلعم بھی تشریف لے آئے حضرت اسمار نے آپ سے یہ ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا اُنھون نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتین کین اس اعتبار سے تم کو زیادہ فضیلت ہی آپ کے اس ارشاد سے حضرت اسمار اور دیگر مہاجرین کو اس قدر خوشی ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتین ہیچ ہوگئین۔ حضرت اسمار کے پاس مہاجرین حبشہ آتے تھے اور اس واقعہ کی حقیقت دریافت کرتے تھے[1]

جمادی الاول ۸ھ ہجری غزوۂ موتہ مین حضرت جعفرؓ شہید ہوئے جب آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ حضرت اسمار کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جعفرؓ کے لڑکے کہان ہین میرے پاس لاؤ حضرت اسمار لڑکون کو آپ کی خدمت اقدس مین لائین۔ آپ ان یتیم بچون کو دیکھکر غمگین و آبدیدہ ہوئے۔

حضرت اسمار آنحضرت صلعم کے آبدیدہ ہونے سے پریشان ہوئین اور دریافت کیا یا رسول اللہ کیا جعفر کی کوئی خبر آئی ہے آپ نے فرمایا ہان وہ خدا کی راہ مین شہید ہوگئے۔

حضرت اسمار یہ جانگداز خبر سنکر چیخ اُٹھین اور گھر مین قیامت برپا ہوگئی۔ تمام مستورات حضرت اسمار کے پاس جمع ہوگئین اور حضرت اسمار سے کہا کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہین کہ سینہ ہاتھون سے کوٹو اور نہ بین کرو۔ پھر آنحضرت صلعم گھر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جعفرؓ کے بچون کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ آج اسمار رنج و غم مین مبتلا ہین[2]

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۰۸ و صفحہ ۶۰۸ ج ۲ و طبقات صفحہ ۲۰۵ جزو ۸ - [2] طبقات صفحہ ۲۰۵ و صحیح بخاری صفحہ ۶۱۰ و صفحہ ۶۱۰ ج ۲ -

اس کے بعد آنحضرت صلعم مسجد مین جاکر مغموم و محزون بیٹھے اور حضرت جعفر رضؓ کی شہادت کا اعلان کیا اسی اثنا مین ایک شخص بارگاہ نبوت مین حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جعفر رضؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہین اور رو رہی ہین آپ نے فرمایا جاکر اُن لوگون کو منع کر دو پھر وہ آدمی آیا اور عرض کیا کہ حضور وہ اس فعل سے باز نہین آتین آپ نے ارشاد فرمایا اُن کے منھ مین خاک بھر دو۔ صحیح بخاری مین یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اُس آدمی سے کہا کہ خدا کی قسم اگر تم ایسا نہ کروگے (یعنی منھ مین خاک نہ بھروگے) تو آنحضرت صلعم کو اس تکلیف و پریشانی سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا[1]۔

تیسرے دن آنحضرت صلعم حضرت اسمار کے گھر تشریف لاسے آپ نے سوگ کی ممانعت فرمائی[2]۔

حضرت جعفر رضؓ کی شہادت سے چھ مہینے بعد شوال سنہ ۸ ہجری غزوہ حنین کے زمانہ مین حضرت اسما کا عقد حضرت ابو بکر رضؓ سے ہوا[3]۔

دو برس کے بعد ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ مین حضرت ابو بکر کے صلب سے اُن کے فرزند محمد پیدا ہوئے اسوقت حضرت اسمار حج کی غرض سے مکہ آئی تھین اور چونکہ اسی زمانہ مین مقام ذوالحلیفہ مین محمد کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسمار متردد ہوئین کہ اب حج کیونکر ادا کرون اس لیئے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ اب مین کیونکر حج کر سکتی ہون آپ نے فرمایا غسل کرکے احرام باندھ لو[4]۔

سنہ ۱۳ھ مین حضرت ابو بکر کی وفات ہوئی آپ نے وصیت کی کہ میری بیوی اسمار مجکو غسل دین چنانچہ وصیت پوری کی گئی[5]۔

حضرت ابو بکر رضؓ کی وفات کے وقت اُن کے صاحبزادے محمد کی عمر تقریبًا تین سال کی تھی[6]۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت علی رضؓ کے نکاح مین آئین۔ محمد بن ابی بکر بھی اپنی والدہ کے ہمراہ آئے اور حضرت علی رضؓ کے آغوش عاطفت مین تربیت حاصل کیا۔ ایک دن عجیب واقعہ گذرا محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی جعفر رضؓ دونون باہم فخر کرتے تھے اور ایک دوسرے پر اپنی فضیلت کو ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے ہم تم سے زیادہ معزز و ممتاز ہین اور ہمارے باپ تمہارے باپ سے زیادہ بہتر تھے بڑی دیر تک یہ

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۱ ج ۲ [2] مسند صفحہ ۳۶۹ ج ۲ ۔ [3] اصابہ صفحہ ۹ ج ۸ ۔ [4] طبقات صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۹ ج ۸ ۔ و صحیح مسلم صفحہ ۳۸۵ ج ۱ و اصابہ صفحہ ۹ ج ۸ ۔ [5] اصابہ صفحہ ۹ و طبقات صفحہ ۲۰۸، [6] طبقات صفحہ ۲۰۸۔

مناقشہ دونون مین جاری رہا حضرت علی رضؓ نے اپنی بیوی (اسماؓ) سے کہا تم اسکا فیصلہ کردو حضرت اسماؓ نے کہا مین نے نوجوانان عرب مین جعفرؓ سے بہتر کسی کو نہ پایا اور بوڑھون مین ابو بکرؓ سے اچھا کسی کو نہ دیکھا جب یہ فیصلہ حضرت اسماؓ نے کردیا تو حضرت علی رضؓ نے کہا تم نے ہمارے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔[۱]

حضرت علی رضؓ کے صلب سے ایک فرزند یحیی پیدا ہوئے[۲] محمد بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ کے صلب سے دو لڑکے یحیی اور عون پیدا ہوئے[۳] لیکن اول الذکر روایت صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اکثر ارباب سیر کا اتفاق اسی پر ہے۔

حکمت مین دخل آنحضرت صلعم جب مرض الموت مین مبتلا ہوئے تو حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماؓ نے آپ کا مرض ذات الجنب تشخیص کرکے آپ کو دوا پلانا چاہی چونکہ آپ دوا کے عادی نہ تھے آپ نے انکار کردیا اسی اثنا مین آپ پر غشی طاری ہوگئی حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماؓ نے اسوقت کو غنیمت سمجھا اور دہان مبارک کھولکر دوا چھوڑ دی تھوڑی دیر کے بعد آپ کی غشی دور ہوئی تو آپ کو کچھ افاقہ کا احساس ہوا۔ آپنے فرمایا اس تدبیر کا مشورہ اسماؓ نے دیا کیون نہ ہو وہ حبشہ سے یہی حکمت اپنے ساتھ لائی ہین[۴]۔

صبر و استقلال ۳۸ھ ہجری مین جبکہ حضرت اسمار رضؓ کے لخت جگر محمد بن ابی بکر رضؓ مصر مین شہید ہوئے اور لوگون نے اُن کی نعش بیدردی سے گدھے کی کھال مین جلائی تو حضرت اسماؓ کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ اور دردناک سین کیا ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اُن کو غصہ آیا، اور قلب کو سخت تکلیف پہونچی لیکن نہایت صبر و شکر کے ساتھ ثابت قدم رہین اور اپنے کلیجہ پر ضبط و استقلال کی سِل رکھکر خدائے لایزال کی بارگاہ مین مصلے پر کھڑی ہو گئین[۵]۔

فضل و کمال حضرت اسمار رضؓ سے ایک سو ساٹھ[۶] احادیث مروی ہین جن کے راویون کے نام یہ ہین حضرت عمر رضؓ، ابو موسیٰ اشعری رضؓ، عبد اللہ بن جعفر رضؓ، ابن عباس رضؓ

۱؎ طبقات صفحہ ۲۰۸، واصابہ صفحہ ۹۔ ۲؎ استیعاب صفحہ ۷۲۵، واسد الغابہ صفحہ ۳۹۵۔ ۳؎ طبقات صفحہ ۲۰۸۔ ۴؎ صحیح بخاری صفحہ ۸۵۱ جز ۲، و طبقات صفحہ ۳۱ و ۳۲ جز ۲۔ و مسند شریف صفحہ ۳۳۸ جز ۶۔ ۵؎ اصابہ صفحہ ۹ جز ۸۔

قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ، ابن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفر فاطمہ بنت علی، ابویزید مدنی۔

حضرت اسماءؓ آنحضرت صلعم سے بلا توسط تعلیم حاصل کرتی تھیں، اور آنحضرت صلعم نے حضرت اسماءؓ کو ایک دعا مصیبت و تکلیف کے وقت پڑھنے کو بتائی تھی[1]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلا ولاغر دیکھا آپ نے حضرت اسماءؓ سے پوچھا یہ بچے اسقدر دبلے کیوں ہیں حضرت اسماءؓ نے عرض کیا حضور ان بچوں کو نظر بہت لگتی ہے آپ نے فرمایا تم جھاڑ پھونک دیا کرو۔ حضرت اسماءؓ کو ایک منتر بھی یاد تھا وہ آنحضرت صلعم کو سنایا آپ نے فرمایا اچھا یہی سہی[2]۔

حضرت اسماءؓ خواب کی تعبیر میں بھی دخل رکھتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ بھی اکثر ان سے خواب کی تعبیر لیتے تھے[3]۔

وفات سنہ ۴۰ھ میں حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ہوئی کم و بیش اسی زمانہ میں اسماءؓ نے بھی دنیا کو خیرباد کہا۔

---

[1] مسند شریف صفحہ ۳۶۹ ج ۶۔ [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۲۳ ج ۲۔ [3] اصابہ صفحہ ۹، [4] خلاصۃ التہذیب صفحہ ۴۸۸ / ۱۱۔

حضرت اسمار

بنت ابی بکر

نام اسمار نام ہی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہین، اُن کی والدہ محترمہ کا نام قتیلہ تھا (جو قریش کی ایک مشہور و معزز سردار عبد العزیٰ کی بیٹی تھین) اور عبد اللہ بن ابی بکرؓ ان کے حقیقی بھائی تھے[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ان کی سوتیلی بہن تھین[2] جو عمر مین اُن سے چھوٹی تھین[3]۔

لقب ان کا لقب ذات النطاقین، تھا اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہی۔

جب آنحضرت صلعم کو کفار مکہ نے بہت دق کیا اور ہر قسم کی ایذائین دینے لگے حتیٰ کہ قتل کرنے پر آمادہ ہوے تو آپ نے مکہ کو خیرباد کہکر مدینہ منورہ کی طرف جانے کا قصد کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے ہم خیال اور رفیق صحبت ہوے۔ رات کو یہ دونون حامیان اسلام، و بزرگان دین مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر جبل ثور کے ایک غار مین مقیم ہوے تا کہ کفار کے تعقب سے محفوظ رہین تین دن اُسی غار مین مقیم رہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسی وجہ سے یار غار کہتے ہین۔ کفار چارون طرف آپ کی تلاش مین گھوڑے دوڑاتے رہے، بارہا اسی غار کے منھ پر گذرے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غار مین محفوظ رکھا چونکہ اس غار کے منھ پر مکڑی نے جالا لگا دیا تھا۔ اور خدا کا یہ مخصوص انعام اپنے محبوب پر تھا، اسوجہ سے وہ کفار بالکل اندھے ہوگئے تھے حالانکہ بارہا غار کے منھ پر سے گذرے لیکن تمیز نہ ہوئی یہ سب خدا کا فضل و کرم اور رسول صلعم کا معجزہ تھا حضرت اسمار بنت ابی بکرؓ روزانہ رات کو پوشیدہ طریقہ سے کھانا لیجاتین اور کھانا کھلا کر واپس آجاتی تھین اور اُن کے بھائی عبد اللہ جو اب تک مسلمان نہین ہوے تھے دن بھر کافرون کے ارادون اور

[1] طبقات صفحہ ۱۸۲ [2] درمنثور صفحہ ۳۳ و اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ [3] اسد الغابہ صفحہ ۱۲

مشوروں کا پتہ لگایا کرتے تھے اور رات کو غار میں پہنچکر تمام باتوں کی اطلاع کرتے تھے اعامر (جو حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا تھا) رات کو اُن کی بکریاں غار کے منھ پر لیجاتا تھا اور بقدر ضرورت دودھ دیکر چلا آتا تھا اور حضرت اسمار اور اُن کے بھائی عبد اللہ کے نقش قدم کو اپنی بکریوں کے کھروں سے مٹا دیتا تھا تاکہ کفار کو اس کے ذریعہ سے غار کا سراغ نہ لگ جائے۔ آخرکار کفار تھک کر بیٹھ گئے مگر کسی قدر اُمید باقی تھی تو اُنھوں نے سو اونٹ کا انعام اُس شخص کے لیے مقرر کیا جو نبی صلعم کو گرفتار کرکے لائے، تیسرے دن رات کو جب اسمار کھانا لیکر گئیں تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم علی سے جاکر کہدینا کہ کل رات کے وقت ہمارے لیئے اونٹ اور ایک راہبر تلاش کرکے اسی غار پر لے آئے حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی کیا حضرت اسمار بھی دو تین روز کا زادراہ تیار کرکے لے گئیں ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ باندھنے کی ضرورت ہوئی تو اُسوقت جلدی میں کوئی رسی کا ٹکڑا نہ ملا تو اُنھوں نے جلدی سے اپنا نطاق (جو عرب کی عورتیں عموماً کمر سے قمیص پر ایک رومال باندھتی ہیں اُس کو نطاق کہتے ہیں) کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کیئے ایک سے ناشتہ اور دوسرے سے مشکیزہ کا دہانہ باندھا۔ اُسپر دربار نبوت سے ذات النطاقین کا لقب ملا[۱]۔

باوجودیکہ تیرہ سو اکتالیس سال گذر چکے ہیں لیکن بارگاہ نبوت کا عطا کیا ہوا لقب زندہ ہے اور حضرت اسمار آجتک صفحات تاریخ میں اسی نام سے یاد کیجاتی ہیں''

ولادت ہجرت سے ستائیس ۲۷ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں اُس وقت اُن کے والد بزرگوار ابوبکر صدیقؓ کی عمر شریف تقریباً بیس ۲۰ سال کی یا اس سے کچھ زائد تھی[۲]

نکاح حضرت زبیر بن العوام سے شادی ہوئی[۳] (جو آنحضرت صلعم کے پھوپھی زاد بھائی تھے)

اسلام یہ بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں مکہ میں اسلام لائیں، اور آنحضرت صلعم سے شرف بیعت حاصل کیا[۴] اُن کا شمار سابقین اولین میں ہے کیونکہ یہ سترہ آدمیوں کے بعد

۱؎ طبقات صفحہ ۱۸۲ و اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۶ و درمنثور صفحہ ۳۲ ۲؎ اسد الغابہ صفحہ ۳۹۱ ۳؎ بشرح صدر ایضاً و اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ ۴؎ بشرح صدر

مشرف بہ اسلام ہوئین[1]۔

ہجرت آنحضرت صلعم، اور حضرت ابوبکر رضؓ جب مدینہ منورہ پہونچ گئے اور ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو مستورات کو مکہ سے بلانے کی تجویز ہوئی چنانچہ آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع کو مکہ بھیجا حضرت ابوبکر رضؓ نے بھی اپنا ایک آدمی بھیجدیا حضرت ابوبکر رضؓ کے صاحبزادے عبد اللہ اپنی ماں اور اپنی دونوں بہنوں (عائشہ رضؓ و اسماءؓ) کو لیکر مکہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے[2]

حضرت اسماء جب مقام قبا مین پہونچین تو عبد اللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی[3] حضرت اسماء اپنے لخت جگر کو آنحضرت صلعم کے پاس لائین آپ نے گود مبارک مین لیکر گھٹی پلائی اور دعائے خیر سے سرفراز فرمایا[4]۔

یہ پہلی ولادت باسعادت ہے جو ہجرت کے بعد اسلام مین ہوئی[5]۔

اولاد حضرت اسماء کے بطن سے حضرت زبیر بن العوام کے پانچ صاحبزادے ہوئے۔ عبد اللہ، عروہ، منذر، عاصم، مہاجر، اور تین صاحبزادیاں، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن، عائشہ یہ سب انھی کی یادگار ہین[6]۔

عام حالات حضرت اسماء نہایت متواضع، اور منکسر المزاج تھین، محنت و مشقت مین بالکل عار نہ تھا، چنانچہ حضرت اسماء خود اپنے شوہر حضرت زبیر بن العوام کی بے بضاعتی و تنگدستی، اور اپنی اہم ذمہ داریان اور اہم فرائض خانہ داری کی انجام دہی، کی داستان اپنے زبان قلم سے اس طرح بیان کرتی ہین۔

جب میری شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی اُسوقت اُن کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی غلام، بیحد تنگدست، فقیر، و مفلس، تھے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا مین ہی اُس کی سائیسی کی خدمت انجام دیتی تھی اور اونٹ کی بھی، خبرگیری کرتی تھی، آنحضرت صلعم نے ایک قطعہ نخلستان کا حضرت زبیر کو عطا فرمایا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا وہان سے روزانہ کھجور کی گٹھلیان چُن کر اور اپنے سر پر اُٹھا کر گھر تک لاتی تھی۔ اور پھر خود ہی دلتی، اور

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲، در منثور صفحہ ۳۳، [2] طبقات صفحہ ۱۷۰، [3] اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۲، [4] صحیح بخاری صفحہ ۵۵۵ ج ۱، [5] در منثور صفحہ ۳۳ و ۳۴، [6] طبقات صفحہ ۱۸۲،

گھوڑے کو کھلاتی، پانی بھرتی، ڈول کھینچتی، اور گھر کا جو کچھ کام ہوتا وہ بھی کرتی، چونکہ مجھے اچھی طرح روٹی پکانا نہین آتی تھی اسلیے مین آٹا گوندھ کر رکھدیتی تھی میرے پڑوس مین انصار کی بیویان جو نہایت خلوص و محبت رکھنے والی اور دوسرون کا کام کرکے خوش ہونیوالی عورتین تھین وہ میری روٹیان پکادیا کرتی تھین، غرضکہ روزانہ انھین دشواریون کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز مین حسب معمول نخلستان سے کھجور کی گٹھلیان سر پر لادے لا رہی تھی کہ راستہ مین آنحضرت صلعم سے شرف اندوز ملاقات ہوئی۔ آپ کی ہمرکابی مین اور صحابہ بھی تھے آپنے اونٹ کو روک لیا تا کہ مین بیٹھ جاؤن لیکن میری شرم و حیا نے اجازت نہ دی کہ مین سوار ہو سکتی۔ جب آپ کو خیال ہوا کہ شاید شرم کی وجہ سے نہین بیٹھتی تو آپ تشریف لے گئے مین اپنے گھر آئی اور اپنے شوہر سے یہ سرگذشت بیان کی تو اُنھون نے کہا خدا جانتا ہے تمھارے سر پر گٹھلیان لادنا میرے لیے اُن کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ سخت ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میرے باپ نے میرے پاس ایک غلام بھیدیا جسکی وجہ سے گھوڑے کی سائیسی سے مجکو نجات ملی میری مصیبتون مین کمی کو نکی ہوگئی۔ اُنھون نے غلام کیا بھیجا گویا مجھے آزاد کیا۔[1]

جب حضرت ابوبکر الصدیق رض اسلام لائے اُسوقت اُن کے پاس تقریبًا ایک لاکھ روپیے تھے یہ تمام دولت مذہب و ملت کے خاطر اور آنحضرت صلعم کی امداد مین صرف کردی ہجرت کیوقت اُن کے پاس صرف ڈیڑھ ہزار روپیے باقی تھی، وہی رقم لیکر مکہ سے ہجرت کرکے چلے گئے اور بال بچون کو اللہ کی امان مین چھوڑا۔

حضرت اسماء جب اپنے والد بزرگوار کو رخصت کرکے گھر واپس آئین تو صبح کو ابو قحافہ (جو حضرت اسماء کے دادا تھے اور ابھی تک مسلمان نہ ہوے تھے) اُن کے گھر آئے (بہت بڈھے اور آنکھون سے معذور تھے) بڑے رنج کے ساتھ کہنے لگے نہایت افسوس ہے کہ ابوبکر خود بھی چلے گئے اور تمام مال بھی اپنے ساتھ لیگئے اُنھون نے مالی و جانی تکلیف دی حضرت اسماء نے فوراً اُنکے قلب کو تسکین دینے کے لیے ایک تھیلی مین کچھ کنکر پتھر بھر کر اُسی طاق مین رکھدیا جسمین حضرت ابوبکر کے

---

[1] طبقات صفحہ ۱۸۲ و صفحہ ۱۸۳ او صحیح بخاری صفحہ ۷۸۶ ج ۲

روپیہ رکھے رہتے تھے اور اُن سے کہا دادا میاں ابا نے بہت کچھ ہم لوگوں کے لیے چھوڑ دیا ہے اور اُن کا ہاتھ اُس طاق میں لیجا کر رکھ دیا۔ ابو قحافہ نے ٹٹولا تو سمجھے حقیقت میں وہ مال چھوڑ گئے ہیں دل کو اطمینان ہو گیا کہنے لگے خیر پھر تو کچھ حرج نہیں حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ یہ میں نے صرف اُن کی تسلی کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ حقیقتاً گھر میں ایک حبہ بھی نہ تھا[1]

جب کبھی اُن کے سر میں درد ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ سے پکڑ کر کہتیں خدایا اگرچہ میں بہت گناہگار ہوں لیکن تیری شان غفاری ہے[2]۔

ایک دفعہ اُن کی گردن ورم کر آئی آنحضرت صلعم نے دست مبارک سے سہلا دیا اور فرمایا خدا تمہاری اس تکلیف کو دور کرے[3]

حضرت اسما کم مائیگی اور تنگدستی کی وجہ سے امور خانہ داری میں ہر شئی کی قدر کرتی تھیں اسی لیے ہر چیز کو ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں آنحضرت صلعم نے انکو منع فرمایا کہ ناپ تول کر خرچ نہ کیا کرو ورنہ خدا تعالیٰ بھی تول کر دیگا۔ انھوں نے یہ عادت چھوڑ دی چند روز کے بعد اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آمدنی کی کثرت ہو گئی اور تمام عمر خوشحالی اور فراغبالی سے گذری[4]۔

چونکہ حضرت اسماء ایک راسخ الاعتقاد مسلمان خاتون تھیں اسلیے مشرکین کی بہت زیادہ دشمن تھیں ایک مرتبہ اُن کی والدہ قتیلہ کچھ تحفے تحائف لیکر دیکھنے کو آئیں چونکہ وہ اسوقت مشرکہ تھیں اسوجہ سے انھوں نے نہ تحفے قبول کیے اور نہ اُن کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ آنحضرت صلعم سے دریافت کر لیجیے کہ اس موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تحفے قبول کر لو اور اُن کو اپنے مکان میں مہمان رکھو خدائے تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے۔

"لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝"[5]

---

[1] مسند ابن حنبل صفحہ ۳۵۰ جلد ۶ ۔ [2] طبقات صفحہ ۱۸۲ ۔ [3] اصابہ صفحہ ۲۳۲ ۔ [4] طبقات صفحہ ۱۸۳ ۔ ایضاً ۔ بخاری ۳۵۲ ۔ ۸۳۹ ۔ [5] مختصر پارہ ۲۸ ۔

"جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور اُنھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا کیونکہ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو اُنھی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔ اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے مخالفوں کی) مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو (سمجھا جائیگا کہ) یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں"[1]

تب اُنھوں نے تحفے قبول کیے اور والدہ کو اپنے مکان میں قیام کرنے کی اجازت دی[1]۔

باوجودیکہ حضرت اسماء جاہ و ثروت اور دولت سے مالا مال تھیں لیکن اُنھوں نے شعار اسلامی سادگی اور وضعداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتیں، نان خشک سے شکم پُری کرتیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ اُن کی سادگی واقعہ ذیل سے ظاہر ہوتی ہے۔

اُن کے بیٹے منذر جب عراق کی لڑائی فتح کرکے واپس آئے تو کچھ زنانے خوبصورت اور باریک منقش کپڑے بھی لیتے آئے۔ جب اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ کپڑے پیش کیے۔ (چونکہ آنکھ کی بصارت جا چکی تھی اسلئے) ہاتھ سے ٹٹول کر کپڑے کی خوبیاں معلوم کیں۔ تو بہت خفا ہوئیں اور لینے سے انکار کر دیا۔ منذر پھر موٹے کپڑے لائے تو اُس کو بخوشی قبول کیا۔ اور کہا بیٹے مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو[2]۔

سخاوت فیاضی، اور سخاوت، جو عرب کا اصلی جوہر ہے وہ اُن کے مزاج میں بہت زیادہ تھی اپنے بچوں کو ہمیشہ نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اپنا مال دوسروں کے کام نکالنے اور اُن کی مدد کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ جمع کرنے کے لئے، اگر تم اپنا مال خدا کی مخلوق پر نہ خرچ کروگے اور بخل کروگے تو خدا بھی تم کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دے گا۔ تم جو کچھ صدقہ دوگے یا خرچ کروگے درحقیقت وہی تمہارے لئے ایک اچھا ذخیرہ ہوگا۔ اور وہ ایسا ذخیرہ ہے کہ کبھی کم نہ ہوگا اور نہ ضائع ہوگا[3]۔

[1] طبقات صفحہ ۱۸۲، [2] ایضاً، [3] ایضاً صفحہ ۱۸۳۔

حضرت اسماؓ جب کبھی علیل ہو جاتیں تو تمام غلاموں کو آزاد کر دیتی تھیں[1]۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی وفات کے وقت زمین کا ایک قطعہ ترکہ میں چھوڑا تھا وہ حضرت اسماءؓ کے حصہ میں آیا اُس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر کے وہ رقم اعزہ و اقارب پر تقسیم کر دی[2]۔

چونکہ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں تشدد زیادہ تھا اسلئے حضرت اسماءؓ نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنے شوہر کی بلا اجازت اُن کے مال سے کچھ فقرا و مساکین کو دے سکتی ہوں۔؟ آپنے فرمایا ہاں دے سکتی ہو[3]

ایک مرتبہ اُن کی والدہ مدینہ منورہ آئیں اور اُن سے کچھ روپیے مانگے اُنھوں نے حسب عادت آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ میری والدہ مشرکہ ہیں اور وہ مجھ سے روپیے مانگتی ہیں کیا میں ایسی حالت میں اُن کا سوال پورا کر سکتی ہوں؟ آپنے فرمایا ہاں وہ تمہاری والدہ ہیں مدد کرنا چاہیے[4]

ہمت اور اخلاق حضرت اسماءؓ مجسم پیکر اخلاق تھیں اُنہیں اخلاص اور نیک نیتی کا مادہ فطرتاً ودیعت ہوا تھا بنی نوع کی ہمدردی، اور للہیت کی طرف بہت مائل تھیں

ایک دفعہ آنحضرت صلعم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، آپنے نماز کو بہت طول دیا حضرت اسماءؓ گھبرا گئیں اور تھک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں تو اُن کے پاس دو عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ اُن میں ایک موٹی اور دوسری دبلی اور کمزور تھی اُن دونوں کا کھڑا رہنا باعث تسلی ہوا اپنے خیالات کو بدلا اور کہا مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے[5] چنانچہ وہ نماز ختم ہونے تک برابر کھڑی رہیں۔ چونکہ نماز لمبی گھنٹے تک ہوئی تھی باوجودیکہ بہت صبر و استقلال سے کام لیا لیکن آخر کار غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی[6]

فضل و کمال لوگ حضرت اسماءؓ کے بہت معتقد تھے اور عقیدتمندی سے ملتے تھے اُن کے تقدس و عظمت کا عام شہرہ تھا اُن سے ہر شخص دعا کا طالب رہتا تھا لوگ مصیبت کے وقت خصوصیت سے دعا کرانے تھے کبھی کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی تو دعا کرانے کیلئے آتی آپ اُسکے سینے پر پانی

[1] طبقات صفحہ ۱۸۲ و خلاصۃ التہذیب صفحہ ۴۸۸ [2] صحیح بخاری باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔ [3] مسند شریف صفحہ ۳۵۳ ج ۶ [4] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۴ ج ۲۔ [5] مسند صفحہ ۳۴۹ ج ۶۔ [6] صحیح بخاری صفحہ ۱۴۴ ج ۱۔

چھڑک دیتین اور کہتین ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی ہے، اُس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[1]

جب کبھی آپ کے گھر مین کوئی بیمار ہوتا تو آپ آنحضرت صلعم کے جُبّۂ مبارک کو (جو کہ حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت حضرت اسمارؓ کو دیدیا تھا) دہو کر اسکا پانی پلادیتی تھین بیمار کو شفا ہوجاتی تھی[2]

حضرت اسمارؓ نے کئی بار حج بھی کیا ہے پہلا حج آنحضرت صلعم کے ساتھ کیا تھا[3] ۔ آنحضرت صلعم سے تقریبًا چھپن حدثین روایت کی ہین ۔ جو صحیحین و سنن مین موجود ہین جن لوگون نے اُن سے روایت کی ہے اُن مین سے بعض لوگون کے نام یہ ہین ۔

عبداللہ، عروہ، فاطمہ بنت المنذر، ابن عباس، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، مسلم معری وغیرہ،

آپ بڑی عقیلہ راسخ الاعتقاد، قلب کی مضبوط، نہایت بُردبار، اور بہت صابر تھین[4]،

طلاق عام کتابون مین حضرت اسمارؓ کو حضرت زبیرؓ کے طلاق دینے کا حال مجملاً لکھا ہے وجہ طلاق کسی نے نہین لکھی صرف ابن اثیر نے اسد الغابہ مین بتلایا ہے کہ طلاق کے دو سبب کہے جاتے ہین ایک تو یہ کہ حضرت اسمار بہت مسن تھین اور کبرسنی کی وجہ سے آنکھون کی بینائی بھی رخصت ہوچکی تھی[5] اسلیے حضرت زبیرؓ اپنے پاس سے جدا کرنے پر مجبور ہوگئے[6] ۔

دوسرے یہ کہ دونون کے تعلقات مین کشیدگی پیدا ہوگئی تھی جسکی بنا پر طلاق وقوع مین آئی ۔

ہمارے نزدیک پہلی صورت اسلیے قابل تسلیم نہین کہ اُسوقت اسلام کے اخلاقی عناصر تعلیم اتنے کمزور نہین تھے کہ حضرت زبیرؓ جیسے مقتدر رکن ملت صرف اس قصور پر طلاق دیدیتے کہ وہ بوڑھی ہوگئی تھین ۔ دوسرے واقعات کے ہوتے ہوئے قیاس بھی اسطرف رہبری کرنے سے قاصر ہے چنانچہ ایک دوسرا سبب البتہ عقل مین آتا ہے جسکا وقوع مین آنا بالکل ممکن ہو کیونکہ حضرت زبیرؓ کے مزاج مین تیزی بہت تھی اور وہ تشدد کے عادی تھے ۔ باہمی مخالفت سے کشیدگی کی نوبت آگئی ہوگی جو آخر مین باعث طلاق ہوئی ۔

۱؎ صحیح بخاری صفحہ ۸۵۱ ج ۲ ۔ ۲؎ مسند صفحہ ۳۴۷ ج ۶ ۔ ۳؎ صحیح مسلم صفحہ ۴۷۹ ج ۱ ۔ ۴؎ اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ ۔ ۵؎ در المنثور صفحہ ۳۲ ۔ ۶؎ اسد الغابہ صفحہ ۳۹۲ و استیعاب صفحہ ۷۲۴ ۔ ۷؎ ایضاً و فتح الباب ج ۳ صفحہ ۱۶۳ ۔

روایتاً و درایتاً دونون صورتون مین بمقابلہ پہلے کے بسبب بہت زیادہ سمجھ مین آتا ہے۔ اسکے علاوہ ابن اثیر کے اس بیان سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے وہ کہ ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت زبیر حضرت اسما پر خفا ہوئے یہان تک کہ زدوکوب کی نوبت پہونچی حضرت اسما نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے امداد چاہی حضرت زبیرؓ نے اُن کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اگر تم یہان آؤگے تو تمہاری مان کو طلاق ہے عبد اللہ نے کہا کہ آپ میری مان کو نشانۂ قسم بناتے ہین یہ کہتے ہوئے آئے اور اپنی مان کو اُن کے پنجہ سے چھوڑا لیا[۱]۔

اس طلاق کے بعد حضرت اسما اپنے صاحبزادے عبد اللہ کے پاس چلی آئین اور وہین رہنے لگین[۲]

عبد اللہ جیسا فرمانبردار بیٹا ہونا بھی بہت مشکل ہے وہ اپنی بوڑھی مان کی بہت اطاعت کرتے تھے اور اُن کی رضامندی کو اپنے مقاصد کی کُنجی سمجھتے تھے۔

بہادری و اخلاقی جرأت اور صبر و استقلال کی بہترین مثال

جس طرح سرزمین عرب کی یہ خصوصیت ہی کہ اُسکا بچہ بچہ فیاض و سخی ہوتا ہے اسی طرح سے جرأت و دلیری بھی اُن لوگون کی مخصوص جبلت ہی اور حقیقتاً سخاوت و شجاعت کا دامن چولی کا ساتھ ہی بلکہ فیاضی لازمۂ دلیری ہے۔

حضرت اسما جہان سخاوت مین بہت کم اپنی مثال رکھتی تھین دلیری و شجاعت بھی اُنمین کوٹ کوٹ کر بھری تھی سعد بن عاص کے زمانہ حکومت مین مدینہ منورہ مین فتنہ و فساد برپا ہوا اور شہر مین بہت بدامنی پھیل گئی، چوریان ہونے لگین تو حضرت اسما ایک خنجر سرہانے رکھکر سویا کرتی تھین۔ لوگون نے پوچھا کہ آپ ایسا کیون کرتی ہین، کہا جب کوئی چور آئیگا مجھپر حملہ کرے گا تو مین اُسکا پیٹ چاک کرون گی[۳]۔

حضرت عبد اللہ جب سن شعور کو پہونچے تو فضائل اخلاق کا پیکر مجسم تھے اور کیون نہ ہوتے آپکی پیدائش آنحضرت صلعم کے عہد مبارک اور عہد اسلام مین ہوئی یہی کیا کم سعادت ہی۔ دوسرے آنحضرت صلعم نے آپ کو گود مین لیا اور اپنے دست مبارک سے گھٹی دی اور دعا سے سرفراز فرمایا، پھر بھی آپ جامع صفات نہ ہوتے تو کون ہوتا۔ ادھر آپ ۶۶ھ مین عراق عرب کے

---

[۱] اسد الغابہ صفحہ ۳۹۳، [۲] ایضاً و درمنثور صفحہ ۳۴ ۳۳ھ طبقات صفحہ ۱۸۴ و ذیل طبری صفحہ ۲۴۶۱۔

خلیفہ ہوئے اُدھر سلطنت بنو اُمیہ کا فرمانروا یزید اسلام میں فسق و فجور پھیلانے پر تُل آیا اور
فتنہ و فساد برپا کرنے لگا صدہا لوگ اُس گم کردہ راہ کی بیعت قبول کر رہے تھے آپ نے
اُس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ مکہ کو اپنا ماویٰ و ملجا بنایا اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند
کی چونکہ ہر متنفس آپ کی عظمت، شوکت، جلالت، حق گوئی، اور سلامت روی کا معترف تھا
اس لیئے سب نے آپ کی دعوت خلافت پر لبیک کہا اور جوق در جوق حلقہ بگوش بیعت ہوئے
بعد میں جب عبد الملک بن مروان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو عبد الملک بن مروان
کے وزیر حجاج نے آپ سے مقابلہ کا تہیہ کیا اور فوج لیکر چڑھائی کی۔ یکم ذی الحجہ ۷۲ھ
میں مکہ کا محاصرہ کیا چھ مہینے تک برابر جنگ ہوتی رہی جب رسد بند ہو گئی اور حضرت عبد اللہ
کے معین و مددگار محاصرہ کی تنگیوں سے بھاگ نکلے اور تھوڑے آدمی رہ گئے تو آپ اپنی
والدہ محترمہ حضرت اسماء کے پاس آئے اور عرض کیا یا اُمی وفاداروں کی بیوفائی اور باقی ماندگان
کی بے صبری سے پریشان ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اگر آپ کی رائے ہو تو اطاعت
قبول کر لوں کیونکہ اس صورت میں ممکن ہے کہ حجاج اور اُسکے ہمراہیوں سے جو کچھ چاہوں
وہی ہو جائے۔ چونکہ حضرت اسماء بہت دلیر اور راسخ الاعتقاد اور جان نثار اسلام
و فدائے ملت تھیں اس لیئے آپنے جواب دیا کہ اے فرزند تم اپنی مصلحت خود سمجھ سکتے ہو
تمہیں اگر اپنے حق و صداقت پر کامل ہونے کا یقین ہے تو تم کو ثابت قدم رہنا چاہیئے اور
صبر و استقلال پر کاربند رہنا چاہیے مردوں کی طرح لڑو اور ذلت کی کوئی بات جان کے
خوف میں ہرگز نہ برداشت کرو عزت کیساتھ تلوار کھانا ذلت اور رسوائی کے ساتھ
دنیا کی تمام نعمتوں کا مزہ چکھنے سے زیادہ بہتر ہے
اگر تم جام شہادت پیوگے تو مجھے خوشی ہو گی اگر تم دنیا کی بے ثباتی کے خواہشمند ہو
تو تم سے بڑھ کر کون شخص برا ہو گا کہ خود بھی برا بنتے ہو اور خلق خدا کو بھی ہلاکت و قعر مذلت میں
ڈالتے ہو اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تنہا ہوں اور بجز اطاعت کوئی چارہ نہیں تو یہ روش شریفوں
کی نہیں تم کب تک زندہ رہوگے ایک دن مرنا ضروری ہے اور وہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ،،
میں کلام نہیں تو یہی بہتر ہے کہ نیک نام مرو تاکہ مجھے صبر کا موقع ملے حضرت عبد اللہ نے اپنی والدہ

محترمہ کی یہ زرین نصیحت سنکر کہا مجکو یہ خوف ہو کہ اہل شام مرنے کے بعد طرح طرح کے عذاب دینگے
حضرت اسمار نے کہا بیٹا جو کچھ تم نے اپنا خیال ظاہر کیا وہ بیشک ٹھیک ہے لیکن جب لوگ بکری کو
ذبح کر ڈالیں پھر خواہ اُس کا پوست نکالیں خواہ قیمہ کریں بکری کو کوئی اذیت نہیں پہونچتی
اُس کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنی والدہ محترمہ کے ہاتھون کو بوسہ دیا اور کہا درحقیقت میرا بھی
یہی خیال ہے کہ مین حق کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہون اور یہ کام مین نے محض دین کے استحکام
کے لیے کیا ہے اور اب مین آج ضرور لڑ کر شہادت حاصل کرون گا لیکن ایسا نہو کہ آپ کچھ
افسوس کرین امان آج تک آپ کے بیٹے نے کوئی فسق و فجور نہین کیا اور احکام شریعت کے
اجرا مین عمداً غلطی نہین کی اور نہ عمال کے ظلم و ستم سے خوش ہوا پھر آسمان کی طرف منھ اُٹھا کر
کہا دو بار آلہا تو خوب جانتا ہے جو کچھ مین نے اپنی والدہ سے کہا ہے وہ تزکیہ نفس کے لیے نہین
کہا بلکہ محض اُن کی تسلی و تشفی کے لیئے کہا ہے تاکہ وہ اس حال کو دیکھکر متاسف نہون حضرت اسما
نے فرمایا اے فرزند مجھے اُمید ہے کہ میرا صبر تیرے حق مین ایک عدیم النظیر صبر ہوگا اگر تو میرے
سامنے ہلاک ہوا تو میرے اجر کا باعث ہوگا اور کامیاب ہوا تو میرے لیئے وجہ مسرت و شکر گذاری
ہوگا بسم اللہ آگے بڑھو مآل کار دیکھو اُسکے بعد حضرت عبداللہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے
دعائے خیر کی التجا کی اور زرہ پہنکر مان کو آخری صورت دکھانے کے لیئے آئے —
حضرت اسما (نابینا تھین) جب رخصت کرنے کے لیئے حضرت عبداللہ کو گلے لگانے لگین
تو ہاتھ مین زرہ محسوس ہوئی بولین عبداللہ جو لوگ شہادت کے مشتاق ہوتے ہین — وہ زرہ
جوشن کو بالائے طاق رکھدیتے ہین حضرت عبداللہ نے کہا مین نے آپ کے اطمینان
کے لیئے پہنی ہے فرمایا مجھے زرہ سے اطمینان نہوگا دامن کمر سے باندھو اور حملہ کرو حضرت عبداللہ
نے ایسا ہی کیا اور یہ رجزیہ شعر [1] —

انّی اذا اعرف یومی اصبر ۞ وانّما یعرف یومہ الحر ۞ اذ بعضہم یعرف
ثم ینکر ۞ پڑھتے ہوئے ایسا لڑے کہ شہید ہوگئے [1] —
شہادت کے بعد حجاج نے حضرت عبداللہ کی نعش کھجور پر لٹکا دی تین دن گذرنے کے بعد

[1] درالمنثور صفحہ ۳۴۷ ج ۱

حضرت اسماء اپنی کنیز کے ساتھ آئیں نعش کو دیکھا کہ اُلٹی لٹکی ہوئی ہے یہ دردناک نظارہ دیکھکر اور نہایت صبر و استقلال سے کام لیکر کہا کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار اسلام و فدائے ملت گھوڑے پر سے اُترے[1]۔

راست گوئی صداقت بیانی حضرت اسماء کا خاص شعار تھا بالخصوص حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جفا کار کے مقابلہ میں اُنکا حق بیانی پر قائم رہنا قابل ذکر و توصیف ہے حقیقت میں جرأت و بہادری کے ایسے شاندار نمونے عورتوں میں ایسی ہی فرشتہ صفت اور فقید المثال خاتون کی بدولت صفحات تاریخ میں نظر آسکتے ہیں یہ زمانگی جو رفتار ہمکو دکھا رہی ہے۔

حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد حجاج حضرت اسماء کے پاس آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حجاج تمہارے لڑکے عبداللہ نے خدا کے گھر میں بیدینی، الحاد پھیلایا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُسپر ایک شدید عذاب نازل کیا

حضرت اسماء (فوراً دندان شکن جواب دیا) تو جھوٹا ہے میرا لڑکا ملحد نہ تھا بڑا صائم، شب بیدار، پرہیزگار، عبادت گذار اور ماں باپ کا فرمانبردار لڑکا تھا مگر میں نے آنحضرت صلعم سے یہ حدیث سُنی ہے کہ قبیلہ ثقیف سے دو آدمی پیدا ہونگے جن میں سے پہلا دوسرے سے بدتر ہوگا ایک کذاب مختار ثقفی ہے، اُسکو تو دیکھ چکی دوسرا ظالم تو ہے جسکو اب دیکھ رہی ہوں[2]۔

حجاج آپ کے اس بے ہراس اور تلخ جواب سے جلگیا اور پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو رہا۔

ایک دوسری روایت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہے جو حضرت اسماء کی دلیری و جرأت پر دال ہے جب حجاج نے اسماء سے کہا کہ میں نے تمہارے بیٹے کیسا تھ کیسا سلوک کیا تو آپنے جواب دیا کہ تو نے میرے بیٹے کی دنیا اور اپنی آخرت خراب کی اور فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النطاقین کہتا تھا بیشک میں نے رسول اللہ صلعم اور اپنے والد ابوبکر کا کھانا نطاق سے باندھا تھا لیکن میں نے یہ حدیث بھی سُنی ہے کہ ثقیف قبیلہ کے نام سے ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے حجاج اس حدیث کو سنکر متاثر ہوا اور ممبر سے اُٹھ کھڑا ہوا[3]۔ چند دنوں کے بعد عبدالملک بن مروان کے حکم سے وہ نعش سولی سے اُتاری گئی۔

حضرت اسماء نے منگواکر غسل دلوایا نعش کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے تھے غسل دیتے وقت بڑی دقت ہوئی لیکن یہ عبرتناک منظر بھی حضرت اسماء نے دیکھا اور بہت صابر و شاکر رہیں۔

حضرت اسماء باوجود متواضع اور منکسر المزاج ہونے کے اپنی بہن حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کیطرح بے انتہا خوددار تھیں چنانچہ بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوگیا کہ آپ کی خودداری حجاج کے کبر و نخوت کیساتھ کیسا واجبی سلوک کرتی تھی۔

وفات حضرت اسماء خدائے لایزال کی بارگاہ میں دعا مانگا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی نعش نہ دیکھلوں

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۳۹۳، [2] استیعاب صفحہ ۷۴۶ جلد ۲، [3] طبقات صفحہ ۱۸۵، [4] صحیح مسلم صفحہ ۳۷۵ ج ۳۔

مجھے موت نہ آئے[1] چنانچہ حضرت عبداللہ کی شہادت کو ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت اسمار نے اپنی حیات مستعار کے سو سال پورے کرکے جمادی الاول ۷۳ھ میں بمقام مکہ معظمہ کل نفس ذائقۃ الموت کا جام نوش کرکے سفر آخرت اختیار کیا[2] حضرت اسمار کی عمر باوجودیکہ سو برس کی تھی لیکن ایک دانت بھی نہ ٹوٹا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے[3] دراز قد جسیم و شحیم تھیں تمام قویٰ صحیح و سالم تھے حضرت اسمار آخر عمر تک مصائب کا شکار رہیں ۳۶ھ میں اُن کے شوہر حضرت زبیرؓ واقعہ جمل سے واپس آ رہے تھے تو ایک شخص عمرو بن جرموز المجاشی نے وادی السباع میں آپکو قتل کردیا۔

حضرت اسمار کو جب اس جانکاہ واقعہ کی خبر پہونچی تو بہت رنجیدہ ہوئیں اور اسی غم و الم میں یہ مرثیہ زبان پر لائیں۔

غدر ابن جرموز بفارس بهمة	جرموز نے ایک شہسوار بلند ہمت والے شخص کو
یوم الهياج وكان غير معرد	لڑائی کے دن ایسی حالت میں کہ وہ بے سروسامان اور
یا عمرو لو نبهته لوجدته	بے ہتھیار تھا بیوفائی (دغا) کی اے عمرو کاش تو اسکو متنبہ
لا طائشا رعش الجنان ولا اليد	کردیتا تو البتہ بالضرور تو اسکو ایک ایسا شخص پاتا کہ نہ اسکے دل میں
ثكلتك امك ان قتلت لمسلما	خوف ہوتا اور نہ اسکے ہاتھوں میں لرزہ ہوتا تیری ماں تجھپر روئے (خدا
حلت عليك عقوبة المتعمد[4]	تجھے سمجھے) تونے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا تجھپر ضرور عذاب نازل ہوگا۔

اُدھر شوہر کی وفات اور اِدھر لخت جگر نور نظر عبداللہ کی شہادت دونوں واقعے قیامت سے کم نہ تھے لیکن مرحبا کہ باوجود ان سخت واقعات کے جس عزم و استقلال اور صبر و شکر سے کام لیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

ایسی نظیر تاریخوں میں بہت کم دستیاب ہو سکتی ہے خدا سب کو ایسی ممتاز خاتون کا متبع کرے اور شدائد میں صبر و تحمل کی توفیق دے۔

---

[1] استیعاب صفحہ ۲۲۶، [2] استیعاب صفحہ ۲۲۷ و اسد الغابہ صفحہ ۳۹۳ و درمنثور صفحہ ۲۴، [3] اصابہ صفحہ ۸ جزء ۷، [4] درمنثور صفحہ ۲۴

مصنفہ احقر العباد

حافظ مقصود احمد شیخ صدیقی قادری

بھوپال ۱۳۴۳ھ

۱۹۲۴ء